مقدمہ

۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے اندر انگریزوں کے خلاف ایک زبردست بغاوت ہوئی، لیکن وہ ناکام ہوئی، مغل حکومت کا چراغ جو ایک عرصہ سے جھلملا رہا تھا اس بغاوت کی آندھی میں بجھ گیا، اب پورے ملک میں انگریزوں کی جو مذہباً عیسائی تھے، حکومت قائم ہوگئی، اس حکومت نے بغاوت کا انتقام اس طرح لیا کہ ایک زبردست مہم کے تحت ذرا ذرا سے فرد جرم کے باعث پورے ملک میں پھانسیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کردیا، درۂ خیبر سے لے کر مشرقی بنگال تک کا ہر درخت پھانسی کا تختہ بنا ہوا تھا، چونکہ اس بغاوت میں علماء بطور خاص شریک تھے، اس لئے نشانہ پر سب سے زیادہ یہی آئے، خبر دینے والوں نے خبر دی کہ پچاس ہزار سے زیادہ علماء تختۂ دار پر کھینچے گئے۔ سوچئے! جس ملک سے پچاس ہزار علماء ناپید کردئے جائیں وہاں علم کیا باقی رہ سکتا ہے؟ اور جب علم ہی نہیں تو وہ دین بھی ناپید ہوجائے گا جس کا مدار علم پر ہوگا۔

چنانچہ اس وقت یہی ہوا کہ علماء ختم ہوئے علم دین نابود ہوا، دین میں اضمحلال پیدا ہوا۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی علیہ الرحمہ کی ایک بات نقل کی ہے جس سے اُس وقت کی حالت کا

اندازہ ہوتا ہے، مولانا میرٹھی ’’تذکرۃ الخلیل‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا، آپ (شیخ الہند) نے سر اٹھایا اور فرمایا مولوی عاشق الٰہی! ایک بات کہوں، ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں علم کی اتنی کمی تھی کہ دور کیوں جاؤ خود ہمارے اضلاع (سہارن پور، مظفر نگر، میرٹھ وغیرہ) میں جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا‘‘۔ (ص۱۸۱)

یہ حال اس ملک کا ہوگیا تھا، جہاں کبھی ہر طرف علم کی بہاریں خیمہ زن تھیں، اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اہل دل کے دلوں میں ایک بات ڈالی، وہ یہ کہ دینی تعلیم گاہوں کا ایک نیا نظام شروع کیا جائے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند سے اس کا آغاز ہوا، اور دیکھتے ہی دیکھتے دس بیس سال میں مدارس کا جال بچھتا چلا گیا، اور علم کی بہاریں پھر واپس ہونے لگیں، لیکن اس کے باوجود ایک ہمہ گیر تحریک کی ضرورت تھی جو علاوہ خواص کے عوام کے درمیان مؤثر کام کرے، علماء کے مواعظ کا سلسلہ جاری تھا، کچھ انجمنوں کے ذریعہ کام کر رہے تھے، بہرحال بیشتر علماء اپنی اپنی جگہ فکرمند تھے کہ دین کی اشاعت کس طرح ہمہ گیر پیمانے پر عام ہو، مشائخِ طریقت تزکیۂ نفوس کا فریضہ انجام دے رہے تھے، بعض حضرات مستقلاً خانقاہ میں قیام رکھتے، بعض بزرگان دین دورے کرتے، عوام کے درمیان جاتے، اور ان سب طریقوں کے اثرات آہستہ آہستہ مسلمانوں کے عمومی

معاشرہ پر پڑ رہے تھے، اسی تجرباتی دور میں مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ایک صاحب عزیمت اور صاحب نسبت گھرانے کے فرد تھے، ابتداءً حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی صحبت میں رہے، پھر باضابطہ تربیت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، جب ان کا قیام بستی نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد مولانا محمد اسماعیل صاحب اور اپنے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کی جگہ پر ہوا اور میوات کی طرف سے آنے والے بدّوؤں اور دیہاتیوں سے سابقہ پڑا، نیز ان کی جہالت اور بے دینی کے مناظر دیکھے تو مولانا کے دل میں ایک تڑپ پیدا ہوئی، اور مدتوں کے ریاض اور دعاؤں کے بعد ایک خاص طریقے سے ان میں کام کرنے کا تجربہ ہوا، اس کے فوائد ظاہر ہوئے، پھر انہوں نے اس طریقے کو عام کرنا چاہا، کیوں کہ تجربے سے اس کے منافع ظاہر ہو چکے تھے، انہوں نے علما کو بھی دعوت دی کہ اس طریقۂ خاص کو دیکھیں، اگر مفید محسوس ہو تو اسے اختیار کریں، کچھ مضرتیں ہوں تو اسے ظاہر کریں۔ یہ بات ان کے مطبوعہ ملفوظات کے پڑھنے سے بالکل عیاں ہیں، انہیں جہاں یہ تڑپ تھی کہ اس طریقۂ خاص کو لوگ اپنا کر اشاعت دین کا کام عام کریں، وہیں یہ بھی اندیشہ رہا کرتا تھا کہ کہیں یہ طریقہ منہاجِ سنت اور اصولِ شریعت سے منحرف نہ ہو جائے، اسی لئے وہ بار بار علما کو اس کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔

مولانا کے نزدیک عوام میں دین کو عام کرنے کا یہ ایک مفید طریقہ تھا، چاہتے تھے کہ یہ طریقہ صحیح منہاج پر کام کرتا رہے، بانی کے اخلاص، ان کی علمی گرفت اور تحریک کے آغاز ہونے کی وجہ سے یہ طریقہ ایک طریقۂ کار ہی رہا، اس میں مقصدیت کی شان نہیں داخل ہوئی تھی، غلو ابھی نہیں پیدا ہوا تھا، لوگ اسے تبلیغ و اشاعت کا ایک طریقہ ہی سمجھتے تھے، بذات خود یہی دین نہیں بنا تھا، لیکن یہ کام بڑھتا اور پھیلتا گیا، خواص سے نکل کر عوام میں داخل ہوا، اور عوام ہی اس میں نمایاں مقام حاصل کرنے لگے، بانی کا انتقال ہو گیا، اس پر سے علمی گرفت ڈھیلی ہوتی گئی، یہاں تک کہ اس میں اصرار داخل ہوا، ہر شخص پر اصرار کہ اس کام کو ضرور ہی اختیار کرے، اس اصرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام کا یہی طریقہ، اب طریقۂ کار نہیں رہا بلکہ مقاصد دین میں داخل ہو کر عبادت مقصودہ بن گیا، اس کے بعد یہ بات آہستہ آہستہ عموم پکڑتی چلی گئی کہ جو خاص اس طریقۂ مروج میں شامل نہیں ہوتا وہ مورد اعتراض بننے لگا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ تو علما کو دعوت دیتے تھے کہ اس طریقۂ خاص کو دیکھیں، اور شریعت سے کہیں انحراف نظر آئے تو مطلع کریں، اصلاح کریں، اور اب اصرار کی وجہ سے اور عبادت مقصودہ بن جانے کی وجہ سے صورت حال پلٹ گئی ہے۔ اب علما کو اسی پیمانے پر ناپا جانے لگا، اگر کوئی عالم دعوت و تبلیغ کے اس طریقۂ خاص میں شامل ہے تب تو مقبول ہے، ورنہ

نامقبول! پہلے علما کی نظر اوران کا علم معیار تھا، جس پر اس طریقۂ خاص کو پرکھا جاتا تھا، اب یہی طریقۂ خاص معیار بن گیا ہے، اور علما کو اس کسوٹی پر پرکھا جانے لگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کام بذات خود دین مقصود اور ضروری ہے۔

اسی اصرار اور عبادت مقصودہ بن جانے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اس طریقۂ خاص میں شمول کی دعوت کو عام کر دیا گیا، خواہ عالم ہو یا عامی ہو، شیخ طریقت ہو یا صاحب ارادت ہر ایک کو دعوت دی گئی کہ اس ’’رسم خاص‘‘ کو اختیار کرے، اور یہ دعوت اتنی عام ہوگئی گویا یہی اسلام کی دعوت بن گئی، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ کسی بھی غیر مقصود طریقۂ کار کی عام دعوت دینا صحیح نہیں ہوتا، یہ حق صرف نبی کو ہے کہ وہ تمام لوگوں کو اس طریقۂ کار میں شامل ہونے کی دعوت دے، جو اللہ کی طرف سے وہ لایا ہے، باقی انبیاء کے علاوہ کسی نے اللہ ورسول کے حکم کی تعمیل کی غرض سے اگر کوئی خاص طریقہ ایجاد کیا ہے تو اسے حق نہیں ہے کہ سب کو اس میں شمول کی دعوت دے، اور اس کا پابند بنائے۔

غیر نبی کے ایجاد کردہ کسی طریقہ کو خواہ وہ تجربہ سے کتنا ہی مفید اور ضروری معلوم ہوتا ہو، مقصود بنا دینا اس کی طرف دعوت دینا، اس پر اصرار کرنا، اس میں شامل نہ ہونے والوں پر اعتراض کرنا ’من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد‘ (جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز جاری کر کے شامل کر دی

جو اس میں شامل نہیں ہے، وہ رد ہے) کا مصداق ہے۔

اس کام کا جس قدر پھیلاؤ ہوتا گیا ہر مزاج و مذاق کے لوگ اس میں شامل ہوتے گئے، اور ایسے لوگ اس میں مقتدائیت کے منصب پر قابض ہوتے گئے جنہیں دین کا ضروری علم بھی نہ تھا، اسی کے بقدر اس کا ہر جز اپنی حد سے تجاوز کرتا گیا، وسائل مقاصد بن گئے، غلو بڑھتا گیا، غیر ضروری امور ضروری بنتے گئے، التزام مالا یلزم کی بھیڑ لگ گئی۔ خاص اس تبلیغی طریقۂ کار کا شاید کوئی ایسا جز ہو جو اعتدال پر رہ گیا ہو، اس بے اعتدالی اور غلو کی وجہ سے علما کو فکر ہوئی، گو عام مسلمانوں میں اس خاص طریقہ کا اتنا غلبہ اور اس کا اتنا رعب و دبدبہ ہے کہ اب اس کی خرابیوں پر متنبہ کرنا مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کی دشمنی مول لینا ہے، لیکن حق کو کہنا ضروری ہے اور اس میں جتنا باطل آمیز ہو گیا ہے اس کو الگ کرنا واجب ہے، اس لئے کچھ لوگ دبی زبان سے، کچھ لوگ کھلم کھلا ان خرابیوں کا اظہار کرنے لگے ہیں، گو کہ دنیاوی لحاظ سے ان کا یہ اظہار و بیان ان پر خاصا گراں پڑ رہا ہے، تاہم شریعت کا تحفظ ضروری ہے۔

ان علماء راسخین میں جو اس طریقۂ خاص کے غلو اور حد اعتدال سے خارج ہونے پر متنبہ ہوئے اور چونکے، ایک ہمارے بزرگ عالم جنہیں علم شریعت میں

گہرا رسوخ حاصل ہے، حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مدظلہ[1] ہیں، جو موضع اتراؤں ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں، اور عارف باللہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے معتمد خاص ہیں، ان سے اس مسئلہ پر استفتا کیا گیا، انھوں نے بے خوف لومۃ لائم مسئلہ کی اصل صورت حال واضح کر دی، البتہ زبان اور انداز بحث خالص علمی اختیار کیا تاکہ علما اسے بغور پڑھیں اور سمجھیں، اور ناسمجھ لوگ اسے فتنہ کا دروازہ نہ بنالیں، یہ رسالہ ایک مرتبہ چھپ چکا ہے، وہ ایڈیشن ختم ہوگیا ہے، پھر لوگوں میں اس کی طلب بڑھ رہی ہے، دوبارہ اسے شائع کیا جارہا ہے۔ خدا کرے تحفظ شریعت کے لئے یہ مفید ثابت ہو اور خواص کو براہ راست اور عوام کو بواسطۂ اہل علم نفع پہونچائے۔

☆☆☆☆☆☆

[1] مولانا محمد فاروق صاحب نے ۱۳۶۵ھ میں جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تعلیم کی تکمیل کی، ابتدائی اور متوسطات تک کی تعلیم الہ آباد میں حاصل کی تھی۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خاص معتقد تھے، طالب علمی کے زمانے میں تھانہ بھون حضرتؒ کی خدمت میں حاضری بھی دی تھی، فراغت کے بعد حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اول حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ کا دامن تھاما، پھر ان کے وصال کے بعد کسی شیخِ کامل کی تلاش ہوئی تو طلب وجستجو نے مصلح الامت، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ

مرقدہٗ کی خدمت میں فتح پور پہنچایا، یہاں اپنی سلامتی طبع، اعتقادِ کامل اور رزانتِ عقل کی وجہ سے بہت جلد حضرت کی خدمت میں رُسوخ حاصل کرلیا تھا، حضرت کو ان پر بہت اعتماد ہوگیا تھا۔ اہم امور میں حضرت ان سے مشورہ بھی لیتے تھے۔ وہ حضرت کے مزاج شناس تھے، حضرت کی منشا پہچان کر اس کے مطابق کام کرتے تھے۔

تبلیغی جماعت کے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں انہوں نے مفصل گفتگو کی، اور جو کچھ ان کی نگاہ میں حق تھا۔ اسے واضح کردیا۔ گو کہ اس کے باعث وہ بہت سے عوام وخواص کا نشانۂ ملامت بنے، مگر کوئی اندیشہ وہ خاطر میں نہ لائے، افسوس کہ علماء نے ان کے اس فتویٰ پر اثباتاً یا نفیاً کوئی توجہ نہ دی، اگر ان کی گفتگو حق ہے، تو اسے قبول کرنا چاہئے، اور اگر اس میں کوئی غلطی ہے، تو اسے واضح کرنا چاہئے۔ مولانا محمد فاروق صاحب بہت وسیع القلب انسان تھے، اگر دلائل سے ان کی غلطی واضح کی جاتی تو اسے وہ بے تکلف قبول کرلیتے۔ بلکہ وہ اس کے منتظر رہا کرتے تھے، بات کی پچ جانتے ہی نہ تھے، ان کا فتویٰ آج بھی اہل علم کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ (کھوئے ہوؤں کی جستجو ص ۴۵۰)

مولانا محمد فاروق صاحب نے تبلیغی جماعت سے متعلق ایک مفصل کتاب ''الکلام البلیغ فی احکام التبلیغ'' بھی لکھی ہے، جس میں موجودہ تبلیغی جماعت کے طریقہ کار کا اصول شرع کی روشنی میں محققانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ کتاب بہت ہی زیادہ بصیرت افروز اور علماء کے لئے خاصے کی چیز ہے، جس نقطہ نظر سے مولانا نے اس کتاب میں بحث کی ہے اس نظر سے ابھی تک کسی بھی صاحب علم نے تبلیغی جماعت کو نہیں دیکھا، یہ کتاب خاص علما کے لئے ہے۔

مولانا محمد فاروق صاحب کا انتقال ۱۴؍صفر ۱۴۲۱ھ میں ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ طبع دوم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ

امابعد !

اس میں شبہ نہیں ہے کہ تبلیغ شرعاً مطلوب ہے، خواہ اسلام کی تبلیغ ہو، یا احکام اسلام کی! اوراس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کرنے کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں فرمایا ہے کہ جب تک اس طریقہ سے تبلیغ نہ کی جائے وہ متحقق ہی نہ ہوگی، یا مطلوب شرعی اس سے حاصل نہ ہوگا، ہر وہ جائز طریقہ، جس سے اسلام کی بات، احکام اسلام کی بات دوسروں تک پہنچائی جاسکے، اس سے تبلیغ مطلوب حاصل ہوگی۔ خواہ وہ وعظ وتقریر سے ہو، تصنیف وتالیف سے، سفر کی مشقتوں سے ہو، حضر کی اقامت سے ہو، انفرادی طور پر ہو، اجتماعی طور پر ہو، بس شرط یہ ہے کہ اسکے لئے کوئی ایسا طریقہ اور عمل نہ اختیار کیا جائے، جو شرعاً جائز نہ ہو، اس کی کوئی خاص صورت جب حضور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعین نہیں کی ہے، تو بعد کے کسی امتی کو یہ حق ہرگز حاصل نہ ہوگا کہ وہ تبلیغ کو کسی خاص رسم وقید

کیساتھ مقید کرے، اوراس کی کوئی متعین شکل بنا کر تمام مسلمانوں کو اس میں شرکت کی دعوت دے، اور دعوت کو قبول نہ کرنے والوں کے حق میں کسی طرح کی بدظنی قائم کرے اور خاص اسی شکل کو باعث نجات اور وجہ سعادت قرار دے، یہ بات ہر اس شخص کو جو دین کا ضروری علم رکھتا ہے، بداہۃً معلوم ہے۔

اوراس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ تبلیغی جماعت نے تبلیغ کو ایک خاص شکل اور ایک خاص ہیئت دے دی ہے کہ عام طور سے جب تبلیغ کا لفظ بولا جاتا ہے، تو لوگوں کے ذہن میں وہی خاص شکل وصورت آتی ہے، اوراس جماعت نے اس خاص طریقۂ تبلیغ کی تبلیغ اتنے بڑے پیمانے پر کی ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک علیحدہ جماعت وجود میں آگئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ خاص شکل اور خاص طریقہ زمانہ سلف سے منقول نہیں، پہلے کہاں کوئی ایسی جماعت تھی جس کی بنیاد چھ باتوں پر ہو، چلہ، گشت، تشکیل مخصوص طرح کی تعلیم، متعین ومحدود وقت کیلئے سفر میں نکلنا، مساجد میں قیام کرنا وغیرہ اس کے اجزائے لازمی اور اصول ہوں، کہ ان کے خلاف کی اجازت نہ ہو، اور اسے خلاف اصول قرار دیا جاتا ہو، ہر شخص جانتا ہے کہ تبلیغ کی یہ خاص شکل وصورت پچھلی صدی، یعنی چودھویں صدی ہجری میں وجود میں آئی ہے، اس کی نسبت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر پہونچ کر ختم ہوجاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو بہت دور ہیں چودھویں صدی کے آغاز میں بھی اس کا

پتہ نہ تھا،لیکن اب اسی کو تبلیغ کا اصل اصول قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے ہر ہر جز کو بطور عبادات مقصودہ برتا جاتا ہے،ان کے فضائل بیان ہوتے ہیں،اس میں شرکت پر اتنا اصرار کیا جاتا ہے، کہ اس کے واجب ہونے کا خیال ہونے لگتا ہے، بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ اگر کسی عام آدمی نے نہیں کسی عالم دین نے اس میں شرکت سے پہلوتہی کی یا جماعت کے کسی غلو پر تنبیہ کردی،تو اس کا دین،اس کی دیانت،اس کی ولایت بلکہ شاید اس کا ایمان بھی مشکوک ہوجاتا ہے۔

حالانکہ یہ دین میں ایک نئی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس صورت میں دین کو مکمل فرمایا ہے،اس میں اس کا کہیں پتہ نہیں ہے، یہ ایک زائد بات ہے،اس کے کچھ فوائد ونتائج دیکھ کر خواہ کتنا ہی حسن ظن رکھا جائے،مگر جب دلائل شرعیہ کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے،تو ایک نئی بات محسوس ہوتی ہے،کبھی لوگوں کا دعویٰ تھا کہ محفل میلاد میں آخر رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے،اس میں کون سی بات خلاف شرع ہے،لیکن علماء نے اس کی مخصوص شکل اور مخصوص قیدوں کی وجہ سے اسے بدعت قرار دیا، کہ ذکر رسول ﷺ کی جب کوئی خاص شکل وصورت شریعت نے نہیں متعین کی ہے،تو کسی کو کیا حق ہے کہ اسے ایک مخصوص شکل میں لاکر اسے ہی مطلوب قرار دے،تو اگر میلاد اس لئے بدعت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہ تھا، بعد میں لوگوں نے یہ طریقہ

ایجاد کیا،تو کیا وجہ ہے کہ مروجہ تبلیغ کو جو کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی، چودہویں صدی تک نہ تھی،لیکن اب اسے مطلوب شرعی بنادیا گیا ہے،آخر اسے بدعت کیوں نہ کہا جائے؟

اب یہ تبلیغی جماعت عالمگیر پیمانے پر چل رہی ہے،عوام کا اس تحریک پر غلبہ ہے، نیز اس میں بڑی سخت جارحیت پائی جاتی ہے،اگر کسی نے ذرا بھی اسے ٹوکا،تو وہ عوام کا مطعون ہوجاتا ہے،اس کی ہیبت سے جانتے بوجھتے بھی لوگ خاموش ہیں کہ کیوں بدنامی مول لی جائے۔نتیجہ یہ ہے کہ اس جماعت کو اپنے معیار حق ہونے کا احساس پیدا ہوگیا ہے۔اب علماء ومشائخ کا قد بھی اس کے فیتے سے ناپا جاتا ہے،ان کی دین ودیانت کو بھی اسی کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے،یہاں بھی اسی طرح کا غلو دیکھا جانے لگا ہے۔جس طرح کا غلو بریلویوں میں پایا جاتا ہے۔کہ میلاد وقیام اور عرس وفاتحہ کو انھوں نے حق وباطل کا معیار قرار دے لیا ہے،اسی طرح تبلیغ کے بارے میں بھی بکثرت لوگوں کا یہ احساس ہے کہ یہ بھی حق وباطل کا معیار ہے۔

تعجب ہے کہ بریلوی دین میں ایک نئی بات کے مرتکب ہوں تو وہ بدعت ہے،اور مرتکب ہونے والا بدعتی ہے اور کچھ دوسرے لوگ دوسری طرح کی نئی بات میں مبتلا ہوں تو وہ عین سنت بلکہ فرض وواجب ہو۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے میلاد وقیام اور عرس وفاتحہ وغیرہ خرافات کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری علیہ الرحمہ سے براہین قاطعہ نامی کتاب لکھوائی اور خود حضرت گنگوہیؒ نے اس موضوع پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے نام نہایت محققانہ اور مفصل خطوط لکھے، اور حضرت تھانویؒ جیسے زبردست عالم کی الجھنوں کو رفع کیا، یہ خطوط تذکرۃ الرشید میں موجود ہیں ۔ یہ دونوں تحریریں بدعت کو سمجھنے اور اس کی حقیقت کی دریافت کیلئے نہایت قیمتی دستاویز ہیں جو شخص ان دونوں تحریروں کو پڑھے گا، اور ان میں بیان کردہ اصولوں پر غور کرے گا، اسے ذرا بھی تردد نہ ہوگا کہ ان کی روشنی میں میلاد وقیام کا جو حکم ہے، وہی تبلیغی طریقۂ کار اور اس کے اعمال واشغال کا بھی ہے۔ انصاف شرط ہے۔

حضرت مولانا محمد فاروق صاحب علیہ الرحمہ، جن کا ابھی حال میں صفر ۱۴۲۱ھ میں انتقال ہوا ہے، زبردست عالم اور محقق تھے، ان سے ایک بڑے مدرسے کے ایک ذہین طالب علم نے جواب ماشاء اللہ عالم دین ہیں، تبلیغی جماعت کے متعلق ایک استفتاء کیا۔ حضرت مولانا نے اس مسئلہ پر بڑا بصیرت افروز اور مدلل جواب تحریر فرمایا، جس سے تفقہ فی الدین کی راہیں کھلتی ہیں، استفتاء اور اس کا جواب اب سے بیس سال پہلے چھپا تھا، اس کا وہ اڈیشن ختم ہو چکا ہے، مولانا کی

حیات ہی میں اس کی دوبارہ اشاعت کا انتظام ہو رہا تھا، لیکن مولانا اپنی حیات مستعار کے لمحات پورے کر چکے تھے، وہ تو سفر آخرت پر روانہ ہوگئے، اور ان کی یہ علمی یادگار اب شائع ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے، اور اس کے ذریعے سے شریعت کی حفاظت کی خدمت لے۔

ناشر

۲۳/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

(خلاصۂ سوال) حضرت مولانا دامت برکاتہم وعمت فیوضہم ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خیریت طرفین بفضل خداوندی مطلوب ہے۔

چند دنوں سے ایک بات ذہن میں کھٹک رہی ہے، اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، اور کوئی مقصد نہیں ہے، امید کہ حضرت والا جواب شافی سے نوازیں گے۔

موجودہ تبلیغی جماعت جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے، جو کام کر رہی ہے ، درست ہے یا نہیں، اس میں لگنا اور اس کا تعاون کرنا کیسا ہے، اس کے اصول ستہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، آیا اس کی مدد جائز ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو علماء حق کو اس کی مخالفت واجب ہے یا نہیں؟ علماء کی ایک کثیر تعداد کیوں اس میں شریک ہے، اس کے بارے میں اپنا خیال تحریر فرمائیں۔

حضرت والا سے گذارش ہے کہ جواب بہت ہی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں، بات مبہم نہ رہ جائے کہ معاودت کی حاجت ہو، حضرت مخصوص دعاؤں میں فراموش نہ کریں گے، جواب کا شدت سے انتظار کروں گا۔ فقط والسلام

..................از جامعہ عربیہ ہتھوڑا ضلع باندہ۔

جواب:

باسمہٖ سبحانہٗ

عزیز محترم مولوی...............صاحب سلمکم اللہ وزادکم عمراً وعملاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ بعافیت ہوں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو ہر طرح امن وعافیت میں رکھیں۔ آمین

آپ کا والا نامہ شرف صدور لایا، آپ نے تبلیغ مروجہ کے بارے میں پوچھا ہے، اور وضاحت سے جواب لکھنے کی فرمائش کی ہے، بوجہ قلت فرصت، آپ کی فرمائش پوری نہ کرسکتا تھا، اور امتثال امر سے بھی چارہ نہ تھا، شش وپنج میں پڑا ہوا تھا، کہ اگر فرصت سے لکھتا ہوں، تو اس کے لئے سینکڑوں صفحات درکار ہیں اور اس کی فرصت نہیں تھی ناچار اختصار وایجاز (۱) کے ساتھ ہی اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے امتثال امر کی کوشش کرتا ہوں، واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

---

(۱) اور اب بحمد اللہ ایک مبسوط ومفصل اور واضح کتاب تیار ہو کر طبع ہو چکی ہے ۔ (ن)

طاعت کے مقبول ہونے کی شرط۔

کوئی طاعت کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو، اسی وقت معتبر اور مقبول ہوسکتی ہے، جب کہ شرعی قوانین کے موافق ومطابق ہو، عمدہ سے عمدہ عمل، خلاف قانون شرع ہونے کی وجہ سے مردود وغیر معتبر ہوجاتا ہے۔

لہٰذا تبلیغ میں قانون شرع کا لحاظ ضروری ہے، تبلیغ کے آداب اور حدود کا پاس ولحاظ کرنا ہر فرد جماعت کے لئے ضروری ہے، چنانچہ ازروئے شرع، تبلیغ کسی صورت میں واجب، کسی صورت میں مستحب، اور بعض صورتوں میں بدعت اور ممنوع وناجائز ہوجاتی ہے، اس کا جاننا ہر مبلغ کے لئے لازم ہے، تاکہ وہ اعتدال سے نکل کر غلو فی الدین وتعدی حدوداللہ وتغییر شرع محمدی ﷺ کا مرتکب نہ ہو جائے اور نیکی برباد، گناہ لازم کا مصداق نہ ہوجائے۔

شرعی دلائل

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ دلائل معتبرہ عندالشرع چار ہیں: (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت اور (۴) قیاس مجتہد

اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ کسی عمل کا مقبول عام ہونا، عالم گیر ہونا، شرکت علماء، مفید ہونا، باکرامت ہونا، الہام وکشف، رویا، غیر مسلموں کا مسلمان

ہونا بڑی بڑی مساجد کا بن جانا، بے نمازیوں کا نمازی بن جانا، وغیرہ وغیرہ عند الشرع معتبر دلائل نہیں ہیں، یہ امور کسی عمل کی صحت کے لئے ہرگز دلیل نہیں بن سکتے، البتہ دلیل شرعی سے ثابت شدہ عمل کی ترجیح اور اطمینان کا ذریعہ ضرور بن سکتے ہیں لہٰذا ان امور کو معتبر سمجھنا اور سمجھانا، معتبر دلائل کے بجائے ان خودساختہ دلائل پر محمول کرنا غلط اور فتنہ عظیم ہے، بالخصوص عوام میں اچھا خاصا گمراہی کا دروازہ کھولنا ہے۔

احکام شرع کی قسمیں اوران کے احکام

امور شرعیہ کی دونوعیں ہیں۔(۱) امور مقیدہ (۲) امور مطلقہ امور مقیدہ میں قید مطلوب شرعی ہوتی ہے، کیوں کہ وہ متعینۂ شارع ہوتی ہے، لہٰذا قید مقید کی فصل ہوتی ہے، اور فصل جز وذات ہوتی ہے، بدون فصل کے ذات متصور نہیں، کالنا طق للانسان، کہ بدون ناطق کے حقیقت وذات انسان کا تصور نہیں ہوسکتا، بدون ناطق کے انسان موجود بوجود خارجی نہیں ہوسکتا، پس امر مقید میں قید ہی پر عمل کرنے سے ائتمار وامتثال متحقق ہوتا ہے، مثلاً صلوٰۃ ظہر، صلوٰۃ ظہر جب ہے کہ اسی ہیئت اور انھیں قیود کیساتھ ادا کی جاوے، جو شارع نے متعین کی ہیں لان المقید یجری علی تقییدہ کہ مقید میں حکم قید ہی پر جاری ہوتا ہے۔

اورامور مطلقہ میں قید فی نفسہٖ مطلوب شرعی نہیں ہوتی، کیونکہ حکم مطلق ہوتا ہے۔لہٰذا امر مطلق پر جب بھی کسی ہیئت اور وصف مباح کے ساتھ عمل کیا جائے گا، ائتمار وامتثال متحقق ہوجائے گا۔''المطلق یجری علی اطلاقہٖ''مشہور قاعدہ کلیہ شرعیہ فقہیہ ہے کمالایخفی علی من لہ ادنی مسکۃ من العلم۔

مطلق کی تعریف

حضرات علماء نے مطلق کی تعریف فرمائی ہے کہ مطلق میں ذات سے سروکار رہوتا ہے،صفات سے نہیں المطلق المتعرض للذات دون الصفات اور(۱) المراد بالمطلق الحصۃ الشا ئعۃ فی افراد الماھیۃ من غیر ملا حظۃ ، خصوص کمال او نقصان او وصف (کما فی نورالانوار وغیرہ)

مطلق حقیقت میں من حیث ھی ھی پر دلالت کرتا ہے، اور ماہیت اپنی ذات میں نہ واحد ہوتی ہے نہ کثیر، پس جو لفظ ماہیت پر بغیر کسی قید کے تعرض کے دلالت کرے، وہ مطلق ہے۔کما قال صاحب الکشف :۔

(۱) مطلق سے مراد افراد ماہیت میں حصہ شائعہ (ماہیت) ہے بغیر کمال یا نقصان یا وصف کی خصوصیت اور قید کے (ن)

المطلق کثیراً من یطلق فی الاصول علی مایدل علی الحقیقۃ من حیث ھی ھی والماھیۃ فی حد ذاتھا لاواحدۃ ولا متکثرۃ فاللفظ الدال علیھا من غیر تعرض بقید ماھو المطلق''

یہ جوش محبت مین آپ کی خاطر سے لکھ دیا ہے، ورنہ صرف مشہور قانون فقہی وشرعی ''المطلق یجری علی اطلاقہ'' کے ذکر پر اکتفا کرتا۔

مطلق کے وجود خارجی کی شرط

آگے ایک اور ''قاعدہ عقلیہ'' واجب التسلیم ہے کہ مطلق کا وجود خارجی بدون اپنے کسی فرد کے محال ہے، کما قال التفتازانی فی شرح العقائد: لاوجود للمطلق الا فی ضمن الجزئی، اس سے یہ امر عیاں ہے کہ امر مطلق میں جو اوصاف وعوارض پائے جائیں گے، وہ قیود نہ ہوں گے، بلکہ عوارض اور امور منضمہ ہوں گے۔

مطلق کی تقیید اپنی رائے سے جائز نہیں

اب سنئے یہی امور منضمہ اگر اپنی رائے سے امر مشروع مطلق میں بطور تقیید وتخصیص شامل کئے جائیں گے تو وہ امر مشروع، امر مشروع نہ رہ جائے گا بدعت وضلالت ہوجائے گا، اور حکم شرعی کی تغییر لازم آئے گی، جو بدترین جرم ہے،

یہی معنیٰ ہیں مشہور قاعدہ فقہیہ کے لایتقید المطلق بوصف اوقید من قبل الرای (یعنی مطلق کو اپنی رائے سے کسی وصف یا قید سے مقید نہیں کیا جاتا)۔

تعلیم و تبلیغ بھی مطلق ہے

اب سمجھئے کہ تعلیم و تبلیغ ایک امر مطلق ہے، نفس وذات تبلیغ تو من جانب الشارع متعین اور مامور بہ ہے، لیکن اس کا کوئی خاص طریقہ اور صورت متعین نہیں، کما قال الشاطبی فی الاعتصام ص ۱۸۷ ج ۱

الامر بتبليغ الشريعة (۱) وذالك لا خلاف فيه لقوله تعالىٰ يا ايها الرسول بلغ ماانزل اليك من ربك وامته مثله وفى الحديث ليبلغ الشاهد منكم الغائب ، والتبليغ كمالا يتقيد بكيفية معلومة لانه من قبيل المعنى المعقول فيصح باى شئى امكن من الحفظ والتلقين والكتابة وغيرها كذلك لايتقيد حفظه عن التحريف والزيغ بكيفية دون أ خرىٰ۔

(۱) یعنی تبلیغ شریعت کا حکم بغیر کسی اختلاف کے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے کہ اے رسول جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے، اور آپ کی امت بھی آپ کے مثل مامور ہے، اور حدیث میں ہے کہ چاہئے کہ تم میں سے جو حاضر ہیں غائب کو تبلیغ کریں، اور تبلیغ جس طرح کیفیت متعینہ کے ساتھ مقید نہیں، اس لئے کہ معقول المعنیٰ کی قبیل سے ہے، لہٰذا حفظ۔ تلقین، تحریر جس صورت سے ممکن ہو صحیح ہے، اسی طرح شریعت کی تحریف وزیغ وغیرہ سے حفاظت کیلئے بھی کوئی کیفیت اور صورت متعین اور مقرر نہیں ۱۲ر

پس تبلیغ، ترغیب وترہیب، امر بالمعروف، نہی عن امنکر، وعدو وعید، تبشیر وانذار۔لینت وغلظت، تحسین حسن، تقبیح قبیح، نفرت ومودت، زبانی تحریری، صلح وجنگ، تذکیراً وموعظۃً، انفراداً واجتماعاً، مباحثۃً ومناظرۃً ہدایت وارشاد، تعلیم وتدریس، ایک جگہ مقیم رہ کر اور سفر اور خرچ کر کے نرمی گرمی، مالی وجسمانی خدمت کر کے، غرض کہ ہر مباح صورت سے کی جاسکتی ہے، اور مکمل شریعت کی مکمل تبلیغ کسی خاص جزو کی نہیں، جب جہاں جس چیز کی جو صورت مناسب اور جائز، مفید اور موثر ہوگی۔ اختیار کی جائے گی۔ اور یہ سب طریقے اور ذرائع مجموعی حیثیت سے جناب رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین اور محدثین ومجتہدین رضی اللہ عنھم اجمعین سے ثابت ہیں، سلف صالحین کا برابر اس پر عمل رہا ہے اور آج تک چلا آرہا ہے۔

تبلیغ کو کسی خاص صورت کے ساتھ مقید کرنا

تو جبکہ تبلیغ مطلق اور عام ہے تو حسب قواعد شرعیہ اس کو کسی خاص طریقہ و کیفیت اور ہیئت سے مقید ومحدود اور متعین ومخصوص بہ تعینات وتخصیصات زائدہ اپنی رائے سے کرنا شریعت محمدی کا حلیہ بگاڑنا اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے، یہی تعدی حدود اللہ، تغییر شرع، احداث فی الدین اور بدعت وضلالت ہے۔

تبلیغ مروجہ کی خاص صورت

چنانچہ تبلیغ مروجہ ، خروج ، چلہ گشت ، تشکیل ، امور ستہ ضروریہ ، امر بعض المعروف ، ترک اکثر المعروف ، ترک نہی عن المنکر برأسہ ، دعا بالجہر والاجتماع ، بیداریٔ شب جمعہ ، اجتماعی تلاوت یسین شریف ، تقدیم الجہال علی منصب العلماء ، امارت نااہل وفساق ، تنقیص وتحقیر علماء ومشائخ ومدارس وخوانق ، مداہنت فی الدین ، جمعہ فی القری ، شرکت مجالس مولود وغیرہ سے مقید ومخصوص کردی گئی ہے ، پھر اس پر اصرار وتاکد ، التزام مالایلزم ، تداعی واہتمام مزید برآں ۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنی کتاب "تبلیغی جماعت کے اوپر عمومی اعتراضات کے جوابات" کے ص ۲۱۴ ، اول ایڈیشن پر بحوالہ جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی فرماتے ہیں :

"یہاں تبلیغ سے مراد ایک خاص نظام عمل ہے ، یعنی ایک خاص قسم کے دعوتی اور دینی ماحول میں خاص اصولوں کے ساتھ کچھ خاص اعمال واشغال کی پابندی کرتے ہوئے ، خاص پروگرام کے مطابق زندگی بسر کرنا"

چند سطروں کے بعد اس خاص عمل کے لئے تداعی واہتمام کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا :

الغرض یہاں تبلیغ سے مراد یہی خاص عملی پروگرام ہے اور اس لئے ہر

مسلمان کو خواہ اس کے علم وعمل میں کتنی ہی کمی ہو اس کی دعوت دی جاتی ہے بلکہ جہاں تک بس چلتا ہے کھینچنے کی کوشش کیجاتی ہے

نیز خود حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کتاب مذکور کے ص ۴۳ / پر تشریح فرماتے ہیں

تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں انھیں کی مشق کرائی جاتی ہے اور انھیں کو پیام کے طور پر لے جاکر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے ان کے اصولوں میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ ہے کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہوں ۔

نیز ص ۴۶ / پر مزید یہ ہے کہ :

عالم کا وعظ کہنا حق ہے مگر تبلیغی اسفار میں اور تبلیغی اجتماعات میں وہ اس کے پابند ہیں کہ چھ نمبروں کے علاوہ اس اجتماع میں دوسری چیز نہ چھیڑیں ۔

غرض کہ تبلیغ مروجہ کا بالکل مخصوص ومحدود ہونا بالکل ظاہر ہے اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ خاص نظام عمل خاص اعمال واشغال کی پابندی خاص پروگرام کے مطابق زندگی بسر کرنا مروج بہ ہیئت ترکیبی مجموعی کے ساتھ نہ تو نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں تھا نہ حضرات صحابہ وتابعین وتبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں تھا سلف صالحین کے یہاں اس کا پتہ ونشان بالکل نہیں یہ چودھویں

صدی کی ایجاد ہے پس اس ہیئت مقیدہ کے التزام واصرار، پابندی وتاکدعموماً، علماً وخصوصاً عملاً ایہام وجوب ومفضی الی فساد عقیدۃ العوام وتداعی واہتمام کی بناپر تبلیغی مروجہ کے بدعت ہونے اور انضمام مکروہات کی وجہ سے محرم ومکروہ ہونے غرض مجموعہ بہ ہیئت کذایہ کے ممنوع ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

مطلق تبلیغ کے دلائل خاص تبلیغ کے لئے معتبر نہیں ہیں

یہ بات بطور خاص ملحوظ رکھنے کی ہے کہ مطلق تبلیغ کے ثبوت سے مقید تبلیغ کا ثبوت نہیں ہوتا احکام عامہ مطلقہ سے امور خاصہ مقیدہ مخصوصہ کا اثبات ہرگز صحیح نہیں ہے، تاوقتے کہ ان امور مقیدہ مخصوصہ کی تخصیص وتقیید کے لئے کوئی خاص اور مستقل دلیل نہ ہو شریعت مقدسہ کے کسی مطلق حکم کو اپنی رائے سے مقید اور خاص کرنے کا کسی کو حق نہیں خواہ صحابی ہی کیوں نہ ہوں۔

مطلق کو اپنی رائے سے مقید کرنا بدعت ہے

مطلق کو مقید، عام کو خاص اپنی رائے سے بدون دلیل شرعی کرنا احداث فی الدین، بدعت وضلالت اور منصب تشریع پر دست اندازی ہے، کما قال الشاطبی فی الاعتصام ص ۲۲۹

فاذا ثبت(۱) مطلق الصلوٰۃ لایلزمہ اثبات الظھر

والعصر والوتر او غیر ھا حتی ینص علیھا علی الخصوص وکذالك اذاثبت مطلق الصیام لایلزمہ اثبات صوم رمضان او عاشوراء او شعبان او غیر ذلك حتی یثبت بالتفصیل بدلیل صحیح۔

ص ۳۴۵ پر فرماتے ہیں:

التقیید (۲) فی المطلقات التی لم یثبت بدلیل الشرع تقییدھا رای فی التشریع

اور ص ۳۷ ج ۱ پر فرماتے ہیں:

الثانی (۳) ان یطلب ترکہ ینھی عنہ لکونہ مخالفة لظاھر التشریع من ضرب الحدود وتعیین الکیفیات والتزم الھیئات

(۱) جب مطلق صلوٰۃ ثابت ہوتو اس سے ظہر، عصر اور وتر وغیرہ کا ثبوت نہیں ہوسکتا جب کہ خاص طور پر اس کے لئے نص نہ وارد ہو۔ ایسے ہی مطلق صیام کے ثبوت سے صوم رمضان، صوم عاشوراء یا صوم شعبان وغیرہ کا ثبوت نہیں ہوسکتا جب تک کہ صحیح دلیل سے تفصیل کے ساتھ ثابت نہ ہوں (ن)

(۲) مطلق کی ایسی قید جو دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو شریعت میں رائے کو داخل کرتا ہے۔ ۱۲ر

(۳) اور دوسرے قسم کے وہ اعمال ہیں جن کا ترک مطلوب ہے اور اس سے نہی کی گئی ہے۔ بوجہ ظاہر تشریع کی مخالفت کے۔ یعنی حدود سے محدود کرنا اور کیفیات کی تعیین کرنا اور ہیئات معینہ اور ازمنہ معینہ کا التزام دوام واصرار کے ساتھ کرنا وغیرہ، اسی کا نام ابتداع اور بدعت ہے۔

المعینة او اللازمة المعینة مع الدوام ونحو ذلك وهذا هوالابتداع والبدعة ۔

حافظ ابن دقیق العید احکام الاحکام ص ۵۱ ج ۱/ پر فرماتے ہیں

ان(۱) هذا الخصوصیات بالوقت او بالحال والهیئات والفعل المخصوص یحتاج الی دلیل خاص یقتضی استحبابه بخصوصه وهذا اقرب لان الحکم با ستحبابه علی ذلك الهیئة الخاصة یحتاج دلیلاًشرعیاعلیه لابدمنه ۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

العبادة (۲) من جهة الشرع مرتبة علی وجه مخصوص فیرید بعض الناس ان یحدث فیه امرالم یرد به الشرع زاعماً انه یدرجه تحت عموم فهذا لا یستقیم ان الغالب

(۱) یعنی یہ خصوصیات وقت یا حال اور ہیئت کے ساتھ اور فعل مخصوص کی سکی خاص دلیل کی محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استحباب پر دلالت کرے اور یہ اقرب الی الصواب ہے، اس لئے کہ ہیئت خاصہ پر استحباب کا حکم دلیل شرعی کا محتاج ہے اور یہ امر لازمی اور ضروری ہے (ن)

(۲) عبادت شریعت سے کسی خاص طور پر مثلاً مطلقاً ثابت ہوتی ہے، تو بعض لوگ اس میں ایسی نئی بات ملا دیتے ہیں جو کہ شریعت سے ثابت نہیں ہوتی اور گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی عموم میں داخل اور مندرج ہے، تو ان کا یہ خیال درست نہیں، کیونکہ عبادت میں تعبدی طریقہ غالب ہے اور اس کا ماخذ توقیف ہے (یعنی شارع کے بتانے پر موقوف ہے اور اس کی واقفیت اور اطلاع کی کوئی صورت نہیں۔۱۲/(ن)

علی العبادة التعبد وما خذها التوقیف

اگر عدم فرصت مانع نہ ہوتی تو بہت سی احادیث نبویہ اور آثار صحابہ اور روایات فقہیہ نقل کرتا، جن سے معلوم ہوتا کہ کتنی عبادات الٰہیہ وامور مندوبہ ومستحبہ کو اسی قسم کے تغیر وتبدل سے بدعت وضلالت قرار دیا گیا ہے، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً شرع محمدی بچوں کا کھیل بن کر رہ جاتی۔

شریعت کی حدیں نا قابل تغیر ہیں

بہت مناسب ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ مصنف براہین قاطعہ کا ایک بصیرت افروز ارشاد اس سلسلے میں نقل کردیا جائے۔

حضرت موصوف براہین قاطعہ ص ۱۱۲ پر فرماتے ہیں۔

"اصل یہ ہے کہ حکم آیات واحادیث مجمع علیہ تمام امت کا ہے کہ کسی حد کو حدود شرعیہ میں تغیر نہیں کرنا چاہئے، اور کسی حکم کو تبدل کمی زیادتی وغیرہ سے دینا نہیں چاہئے، مطلق کو مطلق مقید کو مقید، ضروری کو ضروری، مباح کو مباح، اپنے مشروعہ پر رکھنا واجب ہے، ورنہ تعدی حدود اللہ اور احداث وبدعت میں گرفتار ہوجائے گا۔

پس بناءً علیہ یہ قاعدۂ کلیہ مقرر ہوگیا کہ مباح اپنے اندازہ سے متجاوز نہ ہو

علماً وعملاً اور مطلق اپنے اطلاق سے متغیر نہ ہو علماً وعملاً، اور مقید اپنے اندازہ سے نہ بدلے علماً وعملاً، اور اس پر آیات واحادیث دال ہیں۔

قاعدۂ مذکورہ کے دلائل

چونکہ یہ قاعدہ مسلمہ سب کا ہے، اس لئے دلائل لکھنے کی حاجت نہیں، مگر قدر حاجت لکھتا ہوں۔

جمعہ کی تخصیص

قال رسول الله ﷺ لا تختصو ا ليلة الجمعة بقيام من بين الـليالى ولا تختصو ايوم الجمعة بصيام من بين الا يام الا ان يكون فى صوم يصومه احدكم (الحديث)

’’یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شب جمعہ کو تمام راتوں میں سے شب بیداری کے لئے خاص مت کرو، اور جمعہ کے دن کو اور دنوں میں سے روزہ کے لئے خاص مت کرو، ہاں اگر کسی کے معمول کے روزہ میں جمعہ ہی آئے تو وہ اور بات ہے‘‘

چونکہ شارع علیہ السلام نے جمعہ اور صلوٰۃ جمعہ کے بہت فضائل بیان فرمائے تھے، تو خدشہ تھا کہ کوئی اپنی رائے سے روزہ نماز کو کہ عمدہ عبادات ہیں، اس

میں خاص نہ کر بیٹھے، اس لئے خود آپ نے نہی فرمادی کہ جس قدر امور جمعہ اور شب جمعہ میں ہم نے بیان فرمادیئے ہیں، وہی اس میں افضل اور سنت ہیں، اگر کوئی اس میں قیاس واضافہ کرے گا، تو وہ مقبول نہ ہوگا۔ پس حدیث میں یہ ارشاد ہوا کہ تم جمعہ اور شب کو صلوٰۃ کے واسطے خاص مت کرو، کیونکہ صوم وصلوٰۃ نوافل مطلق اوقات میں یکساں ہیں خصوصیت کسی وقت کی بدون ہمارے حکم کے درست نہیں، پس مطلق کو مقید کرنے سے منع فرمادیا، جیسا کہ جن جن امور کے واسطے جمعہ کو مخصوص کیا ہے، مثلاً صلوٰۃ جمعہ مع لوازمہا، اس کے اطلاق کو منع فرمایا کہ صلوٰۃ جمعہ کسی اور دن میں نہیں ہوسکتی، لہٰذا صاف ہوگیا کہ یوم وشب جمعہ کو مقید کرنا، جس میں وہ مطلق ہیں اور مطلق بنانا جس میں وہ مقید ہیں، دونوں ممنوع ہیں۔ پس اس حدیث میں حکم ہوگیا کہ ہمارے ارشاد کے مطابق سب کام کرو اپنی رائے سے تغیر وتبدل مت کرو، مگر ہاں شارع جس کو مستثنیٰ کردیویں کہ وہ دوسری حدیث سے ثابت ہوجائے تو وہ شارع ہی کا حکم ہے تبدل وتغیر نہیں ہے۔

اور قول حضور علیہ السلام ’’لا تختصو ا ‘‘ بھی مطلق وارد ہوا ہے، تخصیص خواہ اعتقاد وعلم میں ہو، خواہ عمل میں، ناجائز ہوجاویگی، سو یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ تخصیص فعلی اگر منصوص مطلق میں واقع ہوجاویگی، وہ بدعت اور داخل نہی ہے۔

علی ہذا مطلق کرنا مقید کا عام ہے علماً ہو یا عملاً، دونوں منہی عنہ ہیں، چونکہ

یہ قاعدہ اس حدیث سے بوضاحت مستنبط تھا۔تو امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

صلوٰۃ الرغائب:

احتج به العلماء على كراهة هذه الصلوٰة البدعة التى تسمىٰ الرغائب قاتل الله واضعها ومخترعها فانه بدعة منكرة من البدع التى هى الضلالة والجهالة۔

یعنی حجت پکڑی ہے علماء نے اس حدیث سے اوپر اس صلوٰۃ مبتدعہ کی کراہت کے جس کا نام صلوٰۃ الرغائب ہے، ہلاک کرے اللہ اس کے واضع اور اس کے مخترع کو اس لئے کہ یہ صلوٰۃ بدعت منکرہ ہے، ان بدعتوں میں سے جو کہ ضلالت وجہالت ہے۔

اب دیکھو کہ نماز جو کہ خیر موضوع اور عمدۂ عبادات ہے، اور سب اوقات میں افضل القربات ہے، بسبب تخصیص کے بدعت منکرہ بن گئی، اس کا اطلاق مشروع نہ رہا، قید وقت لگ کر مخصوص ہو گیا، تو اس کی وجہ سے سارا عمل مقید اور بدعت ہو گیا۔

ایک اشکال اور اس کا حل

اور امام محمد غزالی نے جو احیاء العلوم میں اس کی فضیلت لکھی ہے، حالانکہ

یہ قاعدہ کلیہ ان کا بھی مسلم ہے، سو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کو حدیث اس صلوٰۃ کے فضل میں ملی، انہوں نے اس کو صحیح جان کر عمل کیا اور سمجھا کہ شارع نے اس کا استثناء فرمایا ہے، لہٰذا وہ معذور ہیں مگر نقاد حدیث نے اس کا موضوع ہونا محقق کر دیا، سو فی الحقیقت امام محمد غزالی نے اس کلیہ کے خلاف نہیں کیا، بلکہ تصحیح میں غلطی ہوئی، اور بشر خطا سے خالی نہیں، اور تنقید حدیث ہر ایک کا فن بھی نہیں، اس باب میں قول محدثین ہی معتبر ہوتا ہے، سو یہ خدشہ بھی رفع ہو گیا۔

صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کی دلیل:۔

پس بناءً علیہ شارح منیہؒ نے صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کی چند دلیلیں لکھی ہیں ان کا یہاں نقل کرنا مناسب ہے۔

۱۔منہا:۔ فعلها بالجماعة وهى نافلة ولم يرد به الشرع یعنی صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کی دلائل میں سے ایک دلیل اس کا جماعت سے ادا کرنا ہے، حالانکہ یہ نفل ہے، اور شرع اس کے ساتھ وارد نہیں ہوئی۔

جماعت کو شارع نے خاص فرائض کے ساتھ کیا ہے، سو نوافل میں قید جماعت کی غیر مشروع ہوئی، مگر جس کی اجازت شرع سے، ثابت ہو گئی ہو، جیسے تراویح، استسقاء، کسوف اور بلا تداعی نوافل مطلقہ میں تو جماعت جائز ہو گی، باقی

اپنی حالت کراہت پر رہی، تو دیکھو کہ جماعت یہاں منقول نہیں، بلکہ فرائض کے ساتھ مخصوص تھی، سو نوافل میں جماعت کی تخصیص کرنا، شرع کو توڑنا ہوا، لہذا لم یرد به الشرع کہا، اور اس کا ہی نام بدعت ہے۔

۲۔ منہا:۔ تخصیص سورۃ الاخلاص والقدر ولم یرد به الشرع، یعنی اس صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل خاص کرنا ہے سورہ اخلاص اور سورہ قدر کا، حالانکہ شرع اس کے ساتھ وارد نہیں ہوئی ہے، شارع علیہ السلام نے فرمایا تھا لا صلوٰۃ الا بفاتحة الکتاب و سورۃ معها، تو کسی سورت کو خاص نہیں کیا تھا مطلق سورۃ کا حکم فرمایا تھا سو کسی صلوٰۃ میں کسی سورت کی تخصیص کرنا، اطلاق شارع کے خلاف ہے، مگر جہاں تخصیص وارد ہوگئی، جیسا سورۃ جمعہ اور سورۂ منافقون، صلوٰۃ جمعہ میں مثلاً، اس واسطے کہا کہ لم یرد به الشرع، یہی بدعت ہے۔

(۳) منہا:۔ تخصیص الجمعة دون غیرها وقد ورد النهی عنه، یعنی صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل اس کے لئے جمعہ کا دن مخصوص کرنا ہے، حالانکہ اس سے نہی وارد ہو چکی ہے، اس کا حال بھی ظاہر ہے، تکرار میں تطویل ہے۔

(۴) منہا:۔ ان العامة یعتقد ونها سنة، یعنی اس صلوٰۃ الرغائب کے

بدعت ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ عوام اس کے بارے میں اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ سنت ہے، جس کی وجہ یہی ہوئی کہ جس امر مباح اور مندوب کے سبب عوام کے اعتقاد میں فساد ہو، اس کا ایسی طرح کرنا ممنوع ہے کہ اس کو تغیر حکم شرع کا لازم ہو جاوے عند العوام، اور رفع فتنۂ عوام کا حتی الامکان واجب ہے۔

(۵) ومنہا:۔ ان الصحابة والتابعین ومن بعدهم لم ینقل عنهم یعنی صلوٰۃ الرغائب کے بدعت ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں سے یہ منقول نہیں ہے۔

یہ خود روشن ہے کہ جس کی اصل قرون ثلثہ سے ثابت نہ ہو، وہ بدعت و مردود ہووے گا، سو یہ تعینات و تخصیصات و تقییدات، خلاف ان قرون کے کرنا خود باطل ہوا۔

چند قواعد کلیہ شرعیہ

سو اب غور درکار ہے کہ اس صلوٰۃ کے امتناع پر شارع منیہؒ نے اس قاعدہ کلیہ پر کہ عدم تجاوز حدود شرع کا ہے، یہ چند قواعد استخراج کئے ہیں جو مثل انواع کے ہیں، ماتحت جنس کلی کے، اور ان سب سے صدہا جزئیات کا حکم حاصل

ہوتا ہے۔

قاعدہ کلیہ(۱): ایک یہ کہ شارع نے جس کا اہتمام و تداعی کے ساتھ حکم صادر فرما دیا، وہ تو اسی طرح ہووے گا، اور جس کو مطلق فرما دیا، اس میں تداعی کا اضافہ نہ ہونا چاہئے، ورنہ تبدیل حکم شرعی و بدعت ہووے گا۔

قاعدہ کلیہ(۲): دوسرے یہ کہ جس شے کو کسی خصوصیت کے ساتھ فرما دیا وہاں تو وہ تخصیص مشروع ہے، ورنہ تخصیص بدعت ہووے گی۔

قاعدہ کلیہ(۳): تیسرے یہ کہ جہاں کسی زمانہ کو مقرر فرما دیا، وہاں تو قید زمانہ کی مشروع ہے، ورنہ بدعت ہے۔

قاعدہ کلیہ(۴): چوتھے یہ کہ اگر اس کے تداعی یا دوام سے عوام کو فساد عقیدہ حاصل ہو، تو اس کا ترک کرنا لازم ہوگا، اگر وہ دوام استحباب کے درجے میں ہو، نہ سنت مؤکدہ اور واجب کے۔

قاعدہ کلیہ(۵): پانچویں یہ کہ جس شے کی اصل قرون ثلاثہ میں نہ ملے، وہ بدعت ہے۔

اور ان سب جگہ علماً و عملاً یہ حکم ہے، اور شے اگرچہ فی نفسہ جائز ہو، مگر ان قیود و وجوہ سے بدعت ہو جاتی ہے۔

پس یہ پانچ قواعد کلیہ شرعیہ ہیں، کہ شارح منیہؒ نے استنباط فرمائے ہیں،

اور سب فقہاء کے نزدیک مقرر ہیں، اور انھیں قواعد سے فاتحہ مرسومہ، سوئم، تعین جمعرات وغیرہ کی، اور محفل میلاد مروجہ سب کی سب بدعت ہوگئی ہیں، انتھی

حدود شرع کی رعایت ضروری ہے

(حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری علیہ الرحمہ براہین قاطعہ)

ص۱۰۴ پر فرماتے ہیں کہ ''ملا علی قاری حدیث ابن مسعود میں فرماتے ہیں:۔

من اصر (۱) علی مندوب و جعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشيطن من الاضلال فكيف من اصر علی بدعة ومنكر۔

بحر الرائق میں ہے:

لان (۱) ذكر الله اذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت او بشئى دون شئ لم يكن مشروعاً مالم يرد به الشرع۔

عالمگیریہ کہتا ہے:

يكره (۲) للانسان ان يختص لنفسه مكاناً فی المسجد

(۱) جس شخص نے امر مندوب پر اصرار کیا اور اس کو مثل واجب قرار دیا اس طرح پر کہ رخصت پر عمل نہ کیا تو اس سے شیطان نے بہکانے کا حصہ لے لیا پس کیا حال ہے اس شخص کا جو کسی بدعت اور منکر پر اصرار کرے۔

يصلي فيه۔

بخاری میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد میں لوگوں کو صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بدعت ہے، حالانکہ صلوۃ ضحیٰ سنت ومستحب ہے، اور مسجد میں جانا بھی مستحب ہے، مگر چونکہ بایں اجتماع اس صلوۃ کا مسجد میں پڑھنا ثابت نہ تھا اس لئے اس کو بدعت فرمایا۔

اور حضرت عبداللہ بن المغفل صحابی نے جہر بسم اللہ کو فاتحہ کے ساتھ نماز میں بدعت ومنکر فرمایا، حالانکہ بسم اللہ ذکر ہے، اور جہر ذکر ممنوع نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہاں جہر منقول نہ تھا، اس کو بدعت فرمایا، ترمذی وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے، امام صاحب کے نزدیک عید الفطر میں تکبیر بجہر راہ مصلیٰ میں بدعت ہے، اس واسطے کہ ان کے نزدیک یہ تکبیر خفیہ ثابت ہوئی ہے، سو جہر غیر مورد بدعت ہوا، حالانکہ جہر بالتکبیر ذکر مستحسن ہے۔

غرض ان سب سے یہی ثابت ہوا کہ اطلاقات شارع کو قیدزمان ومکان و ہیئت سے مقید کرنا بدعت ہے، بدون اذن شارع کے، پس اس کلیہ سے جو مسلمہ

(۱) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تخصیص کا جب قصد کیا جائے وقتوں میں سے کسی وقت کے ساتھ یا اشیاء میں سے کسی شے کے ساتھ تو وہ امر مشروع نہ ہوگا جب تک کہ شریعت اس کے ساتھ وارد نہ ہو۔١٢/
(۲) انسان کے لئے مکروہ ہے مسجد میں اپنے لئے نماز پڑھنے کی جگہ مخصوص کرلے۔

تمام امت کا ہے، اور ان احادیث اور روایات فقہاء ومجتہدین سے خوب محقق ہوا کہ کسی حکم کا کسی وجہ سے تبدل وتغیر نہیں چاہئے، نہ کمی سے، نہ زیادت سے، نہ تبدیل وصف سے، انتہیٰ اور ص ٢٥٩ پر فرماتے ہیں:

حکم مشروع میں کسی غیر مشروع چیز کے شمول سے کراہت آجاتی ہے:

یہ بات متفق علیہ ہے تمام امت کی کہ مشروع اگرچہ فرض ہو، کسی غیر مشروع کے خلط وعروض سے خواہ یہ غیر مشروع اصلی ہو یا عرضی، غیر مشروع اور ممنوع ہوجاتا ہے، جیسے نماز ارض مغصوبہ میں مکروہ تحریمی ہے، اور تصویر کے سامنے اور آتش کے سامنے مکروہ تحریمی ہے، اگرچہ نماز عمدۂ عبادات مفروضہ تھی، مگر عروض امور غیر مشروعہ سے محرم ہوگئی، اور یہ بھی عرض کیا جاچکا ہے قیودِ محفل مروجہ (میلاد) کی دو قسمیں ہیں۔ بعض وہ امور ہیں کہ باصلہٖ مکروہ وحرام ہیں، تو ان کے محفل میں موجود ہونے سے یہ محفل محکوم بحرمت وکراہت ہوجاوے گی۔ بہرحال اس کا عقد اور شرکت دونوں ممنوع رہیں گے، اور کوئی عذر وتاویل اس کے جواز کی ممکن نہیں، جیسا روشنی زائد از قدر حاجت کہ بہ نص حرام واسراف ہے، اور لباس حاضرین کا جو محرم شرعی ہے اور مداہنت فی الدین کہ نص سے اس کی حرمت محقق ہے۔

اور قسم دوئم وہ امور ہیں کہ باصلہ مباح ہیں یا مندوب، مگر بسبب عروض تاکد یا وجوب کے علماً یا عملاً ذہن خواص میں یا عوام میں، ان کو کراہت عارض ہوگئی حسب حکم شرعی کے، پس امور ثانی کا وجود مجلس مولود میں اس وقت تک جائز اور مباح ہے کہ اپنی حالت اصلیہ پر رہیں، جس وقت اپنی حالت سے نکل کر، یا عوام کے ذہن میں ان کی کیفیت واندازاباحت وندب سے بڑھی، اس وقت وہ بھی مکروہ ہو جاتے ہیں، اور ان کے ہونے سے محفل مولود عقد وشرکت میں مکروہ ہو جاتی ہے۔ پس یہ قاعدہ اہل ایمان یادرکھیں، بہت کارآمد ہے۔ انتہیٰ

اور اگر امور منضمہ الگ الگ مسنون ومباح ہوں اور ان امور منضمہ مسنونہ مباحہ کو ملا کر ایک عمل مرکب کو جاری کیا جائے جیسے خروج، تشکیل، چلہ، اور امور ستہ وغیرہ سے مرکب ایک عمل خاص بنام تبلیغ جاری کیا گیا تو اس ہیئت ترکیبی و مجموعی کے لئے بھی دلیل خاص اور مستقل ہونا ضروری ہے، کما قال الشاطبی فی الاعتصام ص۳۴۶ ج۱

’’فذالك ابتداع والدليل عليه ان لم يات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عن اصحابه ولا عن التابعين لهم باحسان فعل هذا المجموع هكذا مجموعا وان اتى مطلقا من غير تلك التقييدات فالتقييد فى المطلقات التى لم يثبت بدليل

الشرع تقييدها رأى فى التشريع (۱)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ براہین قاطعہ ص۱۷۸ پر فرماتے ہیں:

سنن کا مجموعہ وہی محمود ہوتا ہے کہ خالی از کراہت وبدعت ہو، اور جمع موافق شرع ہو، اور جمع سنن سے کراہت بھی حاصل ہوتی ہے۔ دیکھو قرآن پڑھنا سنت تھا اور نماز سنت تھی، مجموعہ مشابہ باہل کتاب ہوگیا، اور رکوع مشروع اور قرآن مشروع جمع دونوں کا مکروہ ہوا، وعلی ھذا، مگر مؤلف نے ایک قاعدہ سیکھ لیا ہے جس کے مفرد اجزاء مباح ہوں گے مرکب بھی مباح رہے گا۔ اور یہ خود ناتمام ہے۔‘‘ انتہیٰ۔ اور ص۵۹ پر فرماتے ہیں:

مؤلف نے یہ قاعدہ ذہن نشین کرلیا ہے کہ جو حکم اجزاء کا ہوتا ہے، وہی مجموعہ مرکبہ بہ ہیئت ترکیبیہ کا ہوتا ہے۔ اور اس کا بطلان پہلے ہو چکا ہے۔‘‘

امور منضمہ اگر موقوف علیہ ہوں تو اس کا شمول بدعت نہیں:

تواب فضائل تبلیغ کے اگر بیان کئے جائیں تو کسی کو مضر نہیں، کلام تو اس ہیئت کذائیہ ترکیبیہ میں ہے جس کا وجود قرون ثلثہ سے لے کر آج تک ثابت

(۱) پس بدعت ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ اور تابعین محسنین سے یہ مجموعہ ثابت نہیں۔ اگرچہ مطلقاً بغیر قید کے ثابت ہو، پس مطلق فعل میں ایسی قید لگانا جو دلیل شرع سے ثابت نہ ہو، شریعت میں رائے کو دخل دینا ہے۔ (ن)

نہیں۔ محض اس زمانے کی ایجاد ہے، البتہ اگر یہ امور منضمہ " ما لا یتم الواجب الا به "یعنی واجب کے موقوف علیہ ہونے کی حیثیت رکھتے ہوں تو اس قید ووصف کا سلف میں معمول بہا ہونا شرط نہیں، اور نہ یہ شرط کہ خاص طور پر شریعت میں اس کی اصل ہو، پس وہ تقیید وتخصیص بدعت نہ ہوگی۔

کما قال الشاطبی فی الاعتصام ص۷۹ ج۱

فامثلة (۱) (القید) الواجب منها من قبیل مالا یتم الواجب الا به فلا یشترط ان یکون معمولاً به فی السلف ولا ان یکون له اصل فی الشرعیة علی الخصوص لانه من باب المصالح المرسلة لا البدع۔"

والقانون العقلی والشرعی " مقدمة الواجب واجب مشهور" (۲)

واجبات میں کوئی خرابی آجائے تو اس کی اصلاح کی جائے گی:

اور جو چیز واجب ہو اور اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہوو، تو اس خرابی کی

(۱) ان قیود واجب میں سے وہ قیود بھی ہیں جو مالا یتم الواجب الا بہ (جن پر واجب کا ہونا ہو موقوف ہو) کے قبیل سے ہے، اس قید کا سلف میں معمول بہ ہونا شرط نہیں ہے، اور نہ یہ شرط ہے کہ خاص طار پر شریعت میں اس کی کوئی اصل ہو، اس لئے کہ وہ مصالحہ مرسلہ کے باب سے ہے بدعت نہیں ہے۔

(۲) واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے یہ مشہور عقلی وشرعی قاعدہ ہے۔ (ن)

اصلاح کی جاویگی، اس کو ترک نہ کیا جاوے گا، اور اگر ضروری اور موقوف علیہ نہ ہو تو اس کا ترک کر دینا واجب ہے، کما یدل (۳) علیه قول المولانا الجنجوهیؒ المذکور فی تذکرة الرشید، وهو هذه۔

جو چیز خدائے تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو، اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوگئے ہوں اور اس کا حصول بدون اس فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہوگا بلکہ ازالہ ان مفاسد کا اس سے واجب ہوگا، لیکن اگر وہ تقییدات وتخصیصات موقوف علیہا نہ ہوں اور اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوگئے ہوں، مثلاً مباح کو سنت، سنت کو واجب، غیر لازم کو لازم، علماً یا عملاً سمجھنے لگیں تو اس کا ترک کر دینا واجب ہوگا، علی الخصوص علماء پر" انتہی

شاطبی الاعتصام ص۷۹ ج۱ پر فرماتے ہیں:

عن (۱) عبد الله بن مسعودؓ القصد فی السنة خیر من الاجتهاد فی البدعة

آگے فرماتے ہیں:

قد روی (۲) معناه مرفوعاً عن النبی ﷺ عمل قلیل فی السنة خیر من عمل کثیر فی البدعة۔

(۳) جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد جو تذکرہ الرشید میں ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔ (ن)

حضرت مولانا سہارنپوریؒ براہین قاطعہ ص ۱۲۷ پر بحوالہ الطریقة المحمدیہ فرماتے ہیں:

"ثم اعلم ان فعل البدعة اشد ضرراً من ترك السنة بدليل ان الفقهاء قالوا اذا تردد فى شئ بين كونه سنة و بدعة فتركه لازم"

"پھر یہ بات جانو کہ بدعت کرنے میں زیادہ ضرر ہے بہ نسبت سنت ترک کرنے کے اس دلیل سے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس امر میں دو وجہ پائی جائیں ایک سنت ہونے کی اور ایک بدعت ہونے کی تو اس امر کا ترک واجب ہے"۔

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ اپنے رسالہ "ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة فى رمضان" میں فرماتے ہیں:

فعل مباح التزام سے بدعت بن جاتا ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سنت میں میانہ روی بدعت میں کوشش ومبالغہ سے بہتر ہے۔(ن)

(۲) سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ سنت میں عمل قلیل بدعت کے عمل کثیر سے بہتر ہے۔(ن)

(۳) اپنی جگہ پر ثابت ہو چکا ہے کہ جو مباح ضروری سمجھ لیا جائے اور اس سے عوام کے عقائد فاسد ہونے لگیں تو=

قد تقرر (۳) فى مقره ان كل مباح ادى الى التزام غير مشروع والى فساد عقائد الجهلة وجبتركه على الكملة فالوا جب على العلماء ان لايلتزموا لكونه موديا الى اعتقاد السنية وقد وقع ذالك من العوام الى ان قال فعلى اهل العلم الذين كالملح فى الطعام اذا فسد الطعام ان يتركوا الالتزام۔"

اگر مندوب و مستحب کو سنت مقصودہ کا یا واجب کا درجہ دیدیا علماً یا عملاً، یا سنت مقصودہ کو واجب کا درجہ دیدیا علماً یا عملاً تو یہی عمل مشروع بدعت بن جاتا ہے۔ کما قال الشاطبی فی الاعتصام ص ۳۴۶ ج ۱۔

كل ما واظب (۱) رسول الله من النوافل واظهره فى الجماعات فهو سنة فالعمل بالنافلة التى ليست بسنة على طريقة العمل بالسنة اخراج للنافله عن مكانها المخصوص بها شرعاً ثم يلزم من ذالك اعتقادالعوام فيها ومن لا علم عنده أنها سنة وهذا فساد عظيم لأن اعتقاد ماليس بسنة والعمل بها على حدالعمل بالسنة نحو من تبديل الشريعة كما لو اعتقد فى الفرض انه ليس بفرض او فيما ليس بفرض انه فرض ثم عمل وفق اعتقاده فانه فاسد فهب العمل فى الاصل صحيحاً

فاخراجه عن بابه اعتقاداً و عملاً من باب افساد الاحكام الشرعية ومن ههنا ظهر عذر السلف الصالح فی ترکهم سنةً قصداً لئلا يعتقد الجاهل انها من الفرائض۔

=اس کا ترک کرنا علماء پر واجب ہوجاتا ہے، پس علماء پر واجب ہے کہ وہ التزام نہ کریں کیونکہ لووگ اس کو سنت سمجھنے لگیں گے بلکہ یہ عوام کی جانب سے واقع بھی ہوگیا ہے......

پس علماء کرام پر جو کھانے میں نمک کے برابر ہیں اور جب نمک فاسد ہوجاتا ہے تو کھانا بھی خراب ہوجاتا ہے، لازم ہے کہ التزام کو ترک کردیں۔(ن)

(۱) ہر وہ عبادت نافلہ جس پر رسول اللہ ﷺ نے مواظبت فرمائی ہو، اور اس کو جماعتوں میں ظاہر =

اس کے علاوہ اکابر علماء محققین کے کثیر اقوال ہیں، بخوف طوالت، بوجہ قلت فرصت نقل نہیں کیئے گئے، سمجھنے کے لئے اتنا کافی سے زیادہ ہے، تبلیغ مروجہ کی قیود وتخصیصات پر تبلیغ کا حصول موقوف نہیں، دیگر اور بھی بہت سی صورتیں ہیں، پس وہ ازقبیل مالا یتم الواجب الا به نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ اگر یہ قیود مباح یا سنت ہیں تو بوجہ اصرار وتاکد والتزام مالا یلزم اور بوجہ مفضی الی فساد عقیدۃ العوام ہونے حسب تصریح احکام مذکورۃ الصدر بدعت قرار پاتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان قیود وتخصیصات کو عملاً ہی نہیں بلکہ قولاً وعلماً سنت سمجھا اور کہا اور لکھا جارہا ہے اور اس کی بڑی بڑی فضیلت بیان کی جارہی ہے، یہاں تک کہتے اور لکھتے ہیں کہ سنت کی واحد صورت ہے تو یہی ہے، اور بوجہ اصرار ہر جگہ، ہر دیہات وقصبہ، ہر شہر، اور ہر وقت وزمانہ میں بس ایک ہی طریقہ، ایک ہی ہیئت اختیار کی جارہی ہے، اور عملاً وجوب کا درجہ دے دیا گیا ہے اور یہ امر بہت ظاہر ہے۔

جائز وناجائز کا مجموعہ ناجائز ہوتا ہے:

اور اس کے بعد یہ مسلۂ خاص طور پر سمجھ لینے کا ہے اور اوپر اس کی تصریح بھی ہوچکی ہے کہ امر مشروع وجائز ایک مکروہ کے انضمام

= فرمایا ہو وہ سنت ہے، پس وہ نفلی عمل جو کہ سنت نہ ہو اس کو عمل بالسنۃ کے طریقے پر کرنا درحقیقت اس نفلی عمل کو اس مرتبہ سے خارج کرنا ہے جو کہ شرعاً اس کے ساتھ مخصوص تھا، پھر اس سے لازم آتا ہے کہ عوام اور جہلاء اس کو سنت اعتقاد کرنے لگیں اور یہ فساد عظیم ہے، اس لئے کہ جو سنت نہ ہو اس کو سنت اعتقاد کرنا شریعت کو تبدیل وتغیر کردینا ہے جیسا کہ غیر فرض کو فرض اعتقاد کرلیا یا فرض کو غیر فرض اعتقاد کرلیا، پھر اپنے اعتقاد کے موافق عمل کرلیا تو یہ فاسد ہے پس عمل اگرچہ فی الاصل صحیح ہو لیکن اس عمل کو اپنے باب سے اعتقاداً یا عملاً نکال دینا احکام شرعیہ کے فاسد کردینے کے قبیل سے ہے، یہیں سے سلف صالحین کے قصداً سنتوں کو ترک کردینے کا عذر ظاہر ہوگیا کہ جاہل یہ اعتقاد کرنے لگیں کہ یہ عمل فرائض وواجبات میں سے ہے۔(ن)

سے مکروہ وناجائز ہوجاتا ہے، اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ نتیجہ ہمیشہ اخس کے تابع ہوتا ہے، جائز وناجائز کا مجموعہ ناجائز، صحیح وغلط کا مجموعہ غلط، پاک اور نجس کا مجموعہ نجس، حلال وحرام کا مجموعہ حرام ہوتا ہے، ایک قطرہ پیشاب گھڑوں پانی کو ناپاک کردیتا ہے۔

اخرج عبد الرزاق فی مصنفة عن ابن مسعودؓ موقوفاً " ما اجتمع الحلال و الحرام الا غلب الحرام" (۱)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب براہین قاطعہ ص ۱۷۸ پر فرماتے ہیں:

مولود ذکر خیر کا ہی نام ہے، مگر اس کے ساتھ اگر امر مکروہ منضم ہوجائیگا تو لاریب مکروہ ہوجائیگا کہ مجموعہ حلال وحرام کا حرام ہوتا ہے، صدہا مثالیں موجود ہیں اور قاعدہ کلیہ فقہاء کا اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام، مشہور ہے، پس ان امور لاحقہ یعنی مکروہہ سے بے شک حرمت وکراہت آوے گی۔ بدیہی کا انکار

بلاہت ہے، صلوٰۃ قرآن کو دیکھ کر پڑھنے سے اور ارض مغصوبہ میں اور تصویر کے روبرو حرام ہوگئی، ذرا آنکھ کھول کر دیکھئے، حاصل یہ ہے کہ جو قید تغییر حکم شرعی کا کر دیویگی، بدعت وکراہت ہو جاوے گی۔ ورنہ نہیں اور سنت ہونا قید کا مانع بدعت ہونے کا نہیں ہوتا۔‘‘

تبلیغ مروجہ کے مفاسد:

تبلیغ مروجہ میں مکروہات مثلاً تقدیم الجہال علی العلماء، ترک نہی عن المنکر، مداہنت فی الدین، امارت وخلط نااہل وفساق، جمعہ فی القری، شرکت مجالس مولود، تنقیص وتحقیر علماء ومشائخ، فساد اعتقاد عوام وغیرہ کا انضمام بدیہی ہے، جس طرح بدعت فعلی ہوتی ہے، اسی طرح ترکی بھی ہوتی ہے، وہ یہ کہ کسی مطلوب شرعی وجائز عمل کو دواماً ترک کر دیا جائے۔

(۱) جب حلال وحرام مل جائیں تو مجموعہ حرام ہی ہوتا ہے

امر شرعی کا ترک بھی بدعت ہے:

امام شاطبی الاعتصام ص۴۲ ج ا پر فرماتے ہیں:

ان البدعة (۱) من حيث قيل فيها انها لطريقة مخترعة الخ يدخل فى عموم لفظها البدعة التركية كما يدخل فيه

البدعة غير تركية، فقد يقع الابتداع بنفس الترك تحريماً للمتروك او غير تحريم فان الفعل مثلاً قد يكون حلالاً بالشرع فيحرمه الانسان على نفسه او بقصد تركه قصداً۔

آگے فرماتے ہیں:

وان كان الترك (۲) تديناً فهو الابتداع اذ قد فرضه الفعل جائزاً شرعاً فى الترك المقصود معارضة فى شرع التحليل۔‘‘

(۱) بدعت کے بارے میں جب کہ یہ کہا گیا ہے وہ دین کے گھڑے ہوئے طریقے کا نام ہے الخ تو اس کے عموم میں بدعت ترکیہ بھی داخل ہے، جیسا کہ اس میں بدعت غیر ترکیہ داخل ہے، پس بدعت صرف ترک کر دینا ہوگا۔ خواہ متروک کو حرام سمجھ کر ترک کیا ہو۔ خواہ حرام نہ سمجھا ہو، اس لئے کہ مثلاً فعل کبھی شرعاً حلال ہوتا ہے مگر انسان اس کو اپنے نفس پر حرام کر لیتا ہے یا قصداً اس کو ترک کر دیتا ہے۔ (۲) اور اگر ترک تدیناً ہے تو یہ ابتداع فی الدین ہے۔ اس لئے کہ فعل کو ہم نے جائز فرض کیا ہے، لہذا بالقصد ترک کرنا شارع کا معارض ہوگا کیونکہ یہ تحلیل شارع کے مقابلے میں تحریم ہے (ن)۔

ارشادات حضرت گنگوہیؒ:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزید تاکید وبصیرت کے لئے تائیداً قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے وہ ارشادات نقل کر دیئے جائیں جو منتشر اور متفرق طور پر ان مکاتیب میں مندرج ہیں جو مابین حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ واقع ہوئے تھے، لیکن بوجہ عدم فرصت اختصار و اشارہ ہی پر مجبور ہوں، بہتر ہو کہ آں عزیز ان مکاتیب کا بغور مطالعہ فرمائیں، انشاء

اللہ فائدہ ہوگا، یہ مکاتیب تذکرۃ الرشید ص۱۱۳ الغایت ص۱۳۶ پر مذکور ہیں، ارشاد ہے۔

۱۔ اگر قیود غیر منقول ہوں اور حصول ان قیودات پر موقوف ہوں تو وہ قیود بدعت نہیں۔

مثال میں حضرتؒ نے ان اذکار واشغال صوفیہ کو پیش کیا جو تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ کے لئے حضرات صوفیہ نے متعین فرمائی ہیں، اور وہ غیر منقول ہیں، نیز ان آلات وذرائع کو پیش کیا جو اعلاء کلمۃ اللہ یعنی جہاد کے لئے قرون ثلثہ کے بعد لوگوں نے ایجاد کئے ہیں۔

۲۔ اگر مامور کے ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع سالم اس نقصان سے ہو تو وہ فرد خاصہ بھی مامور بن جاتا ہے اور اس کے عوارض میں...... اگر نقصان ہو تو اس نقصان کا ترک لازم ہوگا، نہ کہ اس فرد کا۔ مثال میں مامور بہ تقلید کو پیش کیا ہے کہ مطلق تقلید کے دو افراد نوعیہ ہیں، ایک فرد نوعی غیر شخصی ہے، جو سبب ہے مفاسد کا، اور دوسرا فرد اس کا شخصی ہے جو سالم ہے اس فساد ونقصان سے، لہذا اس اصول اور کلیہ کی روشنی میں تقلید شخصی ہی متعین ہوئی۔

۳۔ جو چیز حق تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوا اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہو گئے ہوں اور اس کا حصول بدون اس فرد کے ناممکن ہو تو وہ حرام نہ ہوگا، بلکہ ازالہ

ان مفاسد کا واجب ہوگا، مثلاً تقلید شخصی اور غیر شخصی دو نوع ہیں، شخصیت اور غیر شخصیت، دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی، کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے، کیونکہ فصول ذاتیات میں داخل ہیں، اور جب تقلید غیر شخصی حرام تو شخصی واجب ہے، اسی واسطے فقہاء نے تقلید غیر شخصی کو کتابوں میں منع لکھا ہے، اور تقلید شخصی کو واجب۔

۴۔ مباح منضم جب تک اپنی حد پر رہے گا جائز، اور جب اپنی حد سے خارج ہوگا ناجائز ہوگا، مثلاً ذکر ولادت فخر دوعالم ﷺ میں فی زماننا جو قیود مباحہ ہیں، وہ ذکر کی فصول نہیں ہیں۔ (جیسا کہ تبلیغ مروجہ کی قیودات تبلیغ کی فصول نہیں ہیں) بلکہ امور منضمہ ہیں، کہ بدون ان کے ذکر ولادت (اور تبلیغ) حاصل ہو سکتا ہے، اور جب اپنی حد سے بڑھ گئے کہ ان میں تاکد واصرار تداعی واہتمام پیدا ہوا تو یہ ذکر (اور تبلیغ) ناجائز وبدعت ہوگا۔

۵۔ امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جز بھی ناجائز ہو جائے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مرکب حلال وحرام سے حرام ہوتا ہے، کلیہ فقہ کا ہے۔ مثلاً ولادت کے ساتھ جب مسرفانہ روشنی وغیرہ امور مکروہہ وممنوعہ کا انضمام ہوا تو یہ محفل ناجائز ہوگی۔ (اسی طرح تبلیغ کے ساتھ امور مکروہہ منضم ہوں گے تو یہ صورت ناجائز ہوگی)

۶۔مقید بامر مباح میں اگر مباح اپنی حد سے نہ گذرے یاعوام کوخرابی میں نہ ڈالے تو جائز اور اگران دونوں امروں میں سے کوئی امر واقع ہو جائے تو ناجائز ہوگا۔اس کی صدہامثالیں ہیں۔

۷۔ جوامر بذریعہ غیر مشروعہ حاصل ہو، وہ خودنا جائز ہے، یہ امر یقینی ہے کہ جو خیر بذریعہ غیر مشروع حاصل ہووہ امر خیر نہیں اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جائے تو اس کا ثمرہ کچھ ہی ہو جائز الحصول نہ ہوگا، مثلاً آپ سماع ذکر ولادت بہ ہیئت کذائیہ کوموجب ازدیادمحبت تصور کرتے ہیں، اور بذریعہ غیر مشروع تحصیل محبت کی اجازت دیتے ہیں۔(تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔)

۸۔ جوامر مندوب مغوی ہوتو وہ امر مندوب ناجائز ہوگا، اگر تسلیم کرلیا جائے کہ آپ کی محفل میلاد (ھکذا تبلیغ) خالی ہے، جملہ منکرات سے اور کوئی امر نا مشروع اس میں نہیں ہے، تو دیگر مجالس تمام عالم کی تو سراسر منکر ہیں، اور یہ فعل آپ کا ان کے لئے مؤید ہے، پس یہ فعل آپ کا جب مغوی خلق ہوا تو اس کے جواز کا کیسے حکم کیا جاوے گا، اگر حق تعالیٰ نے نظر انصاف بخشی ہے تو سب واضح ہے ورنہ تامل اور شبہات کو بہت گنجائش ہے، مذاہب باطلہ کی اہل حق نے بہت کچھ تردید کی مگر قیامت تک ان کے شبہات تمام نہ ہوں گے۔

۹۔التزام مالایلزم بدون اعتقاد وجوب بھی ممنوع ہے، اگر باصرار ہو، اگر

مندوب پر دوام بلا اصرار ہو وہ جائز ہے، اور مستحب ہے، بشرطیکہ عوام کو ضرر نہ کرے، اور اگر عوام کے اعتقاد میں خلل پڑے تو وہ بھی مکروہ ہے، جیسے کتب فقہ میں سُوَر مستحبہ کے التزام کو مکروہ لکھا ہے۔

۱۰۔ جب تک شیخ کسی مسئلہ کو جو بظاہر خلاف شرع ہو بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشیں نہ کردے مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں، اس کی نظیر میں احادیث بکثرت ملتی ہیں، ایک نظیر بیان کرتا ہوں اس پر غور کیجئے۔ جب واقعہ مسیلمہ میں قراء بہت شہید ہو گئے اور حضرت عمرؓ کو اندیشہ ذہاب کثیر قرّاء ہوا۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بعد مباحثہ بسیار قول عمرؓ کو قبول فرمایا اور اس کا استحسان ان کے ذہن نشین ہو گیا، اور دونوں کی رائے متفق ہوگئی اور سنت بلکہ وجوب مقرر ہو گیا، اور زید بن ثابتؓ کو اس امر کے واسطے فرمایا، تو باوجود اس کے کہ شیخینؓ زید بن ثابتؓ سے علم وفضل میں بہت زیادہ تھے، اور صحبت ان کی بہ نسبت زید بن ثابتؓ کے طویل تھی اور ان کے باب میں حکم شارع علیہ السلام ثابت ہو چکا تھا کہ اقتدوا (۱) بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (رواہ البخاری) مع ہذا زیدؓ نے چونکہ اس امر کو محدث سمجھا (اور ترک فعل سمجھا) تو یہی فرمایا کہ کیف تفعلون (۲) شیئا لم یفعلہ رسول اللہ ﷺ اوران کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا، کیونکہ ایجاد بدعت ان کے نزدیک

سخت معیوب تھا۔ اور شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے، لہذا مناظرہ شروع کر دیا، مگر جس وقت شیخینؓ نے ان کو سمجھایا اور سنت اس فعل کی زیدؓ کو ثابت ہوگئی (اس کو عدم فعل سمجھ لیا) تو اس وقت بدل و جان قبول کر کے اس کی تعمیل میں مصروف ہو گئے، بخاری کو تم نے خود پڑھا پڑھایا ہے، زیادہ کیوں لکھوں۔

پس ایسا بدست شیخ ہو جانا کہ مامور و منہی کی تمیز نہ رہے اہل علم کا کام نہیں۔ ''لاطاعة (۳) لمخلوق فی معصية الخالق'' یہ امر بھی عام ہے اس سے کوئی مخصوص نہیں، اور اگر کسی عالم نے اس کے خلاف کیا ہے تو بسبب فرط محبت اور جنون عشقیہ کے کیا ہے، سو وہ قابل اعتبار نہیں، اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا واقعہ کہ مجلس سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ''فعل (۴) مشائخ حجت نباشد'' آپ نے سنا ہوگا، اور حضرت سلطان المشائخ کا اس پر یہ فرمانا کہ ''نصیر الدین (۵) درست می گوید'' تصدیق

(۱) اقتداء کرو میرے بعد ابوبکرؓ کی اور عمرؓ کی (۲) کیسے ہمت کرتے ہو ایسا کام کرنے کی جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا (۳) خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (ن) (ا)۔ (۴) مشائخ کا فعل دلیل نہیں ہے۔ (۵) نصیر الدین صحیح کہتے ہیں۔

تحریر بندہ کی کرتا ہے، اسی واسطے مشائخ اپنے مرید علماء سے مسائل دین کی تحقیق کرتے تھے، اور کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنی معلومات مخالفہ سے تائب ہو جاتے تھے، چنانچہ حضرتؒ نے ''غذائے روح'' میں قصہ اس عارف کا جو غار میں رہتا تھا،

اور تکیہ موم کی آنکھ اور بتی نجاست کی ناک میں رکھتا تھا، لکھا ہے کہ انھوں نے مرید کے اس کہنے سے کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوتی، اپنی نمازوں کا اعادہ کیا، اور اس مسئلہ کو قبول کیا، اور خود بندہ کو یہ واقعات پیش آئے کہ جناب حضرت حاجی صاحبؒ و حافظ صاحبؒ جو پہلے سے مولوی شیخ محمد صاحبؒ سے مسائل دریافت کر کے ان پر عامل تھے، بندہ کے کہنے سے بہت سے مسائل کے تارک ہو گئے، اور واللہ کہ حافظ صاحبؒ نے یہ کلمہ میرے سامنے فرمایا کہ ہم کو بہت سے مسائل میں ہمیشہ دھوکا رہا۔

۱۱۔ جو امور مبتدع اور محدث ہیں، ان کا تعلق عقیدہ سے بھی ہے، لہذا وہ باب عقائد سے ہیں، ان سب کو ناجائز اور موجب ظلمت عقیدہ کرنا واجب ہے، پس یہ اعتقاد کلیات میں داخل ہے، اگرچہ عمل ان کا عملیات سے ہے، یہی وجہ ہے کہ کتب کلام میں جواز مسح خف و جواز اقتداء فاسق و جواز صلوٰۃ علی الفاسق وغیرہ لکھتے ہیں، کیوں کہ گو یہ اعمال ہیں، مگر اعتقاد جواز و عدم جواز اعتقادیات میں داخل ہے۔

احکام شرعیہ میں فعل مشائخ حجت نہیں:

یہ چند تصریحات علماء ہیں جو بالاختصار پیش کئے گئے اور کتنے اقوال علماء

محققین نیز روایات حدیثیہ وفقہیہ بخوف طوالت و بوجہ فقدان وقت نظر انداز کر دیئے گئے، باقی آں عزیز کا یہ فرمانا کہ پھر آخر فلاں اور فلاں علماء کیوں شریک ہیں اور مؤید ہیں تو اس کے بارے میں ہم کیا لکھیں، اگر یہ سوال جہلاء کی طرف سے ہوتا تو اتنا افسوس نہ ہوتا جتنا کہ اہل علم کی طرف سے ہونے کا افسوس ہے، اہل علم تو علم سے کام لیتے ہیں اور دلائل پر نظر رکھتے ہیں اور کوئی بات بلا دلیل نہیں مانتے۔

امام شاطبی تو یہ فرماتے ہیں

ان الحق (۱) هو المعتبر دون الرجال۔''

حافظ ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں:

ان (۲) فضلهم لا یوجب قبول ما قالو۔''

صاحب مجالس ابرار فرماتے ہیں:

ومن لیس من اهل الاجتهاد، من الزهاد والعباد فهو فی حکم العوام لا یعتقد بکلامه الا ان یکون موافقاً للاصول الکتب المعتبرة۔'' (۳)

اور حضرت تھانویؒ اصلاح الرسوم میں فرماتے ہیں:

جس عمل کو جن عقائد و مفاسد کی وجہ سے ہم روک رہے ہیں ان مفاسد کا اظہار سوال میں کرنے کے بعد مجوزین سے فتویٰ منگا دو اس وقت تمہارا شبہ معقول

ہوسکتا ہے، اس وقت جواب ہمارے ذمہ ہوگا۔

(۱) حق کا اعتبار ہے اشخاص کا نہیں۔ (۲) ان کی فضیلت کی وجہ سے ان کی ہر بات ماننا ضروری نہیں۔ (۳) اور جو اہل اجتہاد میں سے نہیں ہیں، خواہ وہ زاہدوں اور عابدوں ہی میں سے کیوں نہ ہوں وہ عوام کے حکم میں ہیں، ان کا کلام قابل شمار نہیں، الا یہ کہ ان کا کلام اصول کتب معتبرہ کے موافق ہو۔ (ن)

اور مؤلف انوار ساطعہ نے جب محفل مولود کے بارے میں یہ کہا کہ حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً اور ملک مصر، ملک اندلس، ممالک مغربی، ملک روم، ملک عجم، ہندوستان وغیرہ میں کمال احتشام واہتمام سے ہوتی ہے، نیز ملا علی قاریؒ، سبط ابن الجوزیؒ، علامہ فاکہانیؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ کا نام پیش کر کے لکھا کہ محققان بالغ نظر نے جائز کہا (وغیرہ) تو اس کا جواب مؤلف براہین قاطعہ حضرت سہارنپوریؒ نے یہ دیا کہ:

تمام بلاد میں اشتہار اس کا، کوئی دلیل شرعی نہیں، صلوٰۃ لیلۃ البراءۃ والرغائب تمام دنیا میں شائع ہوئی اور بدعت ہی رہی، پس اشتہار امر غیر مشروع کا، موجب جواز کا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ملا علی قاریؒ کا لکھنا کہ تمام بلاد میں یہ رائج ہے کوئی حجت شرعیہ نہیں، مانعین علماء تو کلیات ونصوص اور جزئیات مجتہدین سے منع کو ثابت کرتے ہیں، اور مؤلف کے پاس بجز اس کے کہ علماء دین نے جائز رکھا، محققان بالغ نظر نے درست جانا، فلاں شریک ہوا، فلاں کرتے رہے اور کچھ حجت نہیں، اور یہ قول بعد ثبوت ہرگز حجت شرعیہ نہیں ہوسکتا، اپنا دل خوش کرلو، مگر

اہل علم کے نزدیک کوئی دلیل نہیں، جب نصوص اور اقوال مجتہدین سے بوجہ تقیید و تعیین کے بدعت سیئہ ہونا، ان امور کا ثابت ہو گیا تھا تو بمقابلہ اس کے ملا علی قاری کا یا کسی کا قول قابل تعویل نہیں سب فضول ہے۔

ص ۱۶۵ پر فرمایا:

قرآن وحدیث سے کچھ ثبوت ہی نہیں، پس سب آپ کے علماء کا فتویٰ لا یعبأ بہ ہو گیا، اور بدعت ہونا مقرر ہو گیا، اور حاضر ہونے سے مشائخ اور علماء کے حجت جواز کی نہ ہوگی، اگر کروڑوں علماء بھی فتویٰ دے دیں بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں، ادلۂ اربعہ سے بدعت ہونا اس کا ثابت ہے، فما ذا بعد الحق الا الضلال''

اب مؤلف ممالک کو شمار کر کے اپنی کرم کہانی کہے جاوے، بندہ احقر پہلے ہی عرض کر چکا ہے کہ مؤلف کے پاس کوئی دلیل سوائے اس کے نہیں کہ تمام علماء کرتے رہے، اور یہ بشرط ثبوت وتسلیم کوئی حجت شرعیہ نہیں، حجت وہ ہے جو ادلۂ شرعیہ سے پیدا ہووے، اور اگر قیود وتاکد کو یہ علماء بدعت نہیں کہتے تو ہرگز ان کا قول معتبر نہیں۔''

کہاں تک لکھا جائے محققین متقدمین ومتاخرین کے بہت سے ارشادات واقوال ہیں، افسوس کہ فرصت نہیں، اگر فرصت ہوتی تو مدارس اور خانقاہ، اذکار و

اشغال صوفیہ ودیگر بہت سے مسائل پر مفصل ومدلّل گفتگو کرتا کاش اپنا گھر سمجھ کر غریب خانے پر تشریف لاتے تو بالمشافہ گفتگو کر کے افہام وتفہیم کی کوشش کرتا اور علماء کے ارشادات بیان کرتا۔

ہمارے اکابر واسلاف نے کوئی بات تشنہ نہیں چھوڑی، احکام شرعیہ کے بیان کرنے سے دریغ نہیں فرمایا، اس خیال سے کہ یہ چند سطریں جلد خدمت میں پہنچیں، قلم روک رہا ہوں، اگر آپ فرمائیں گے تو بشرط فرصت انشاء اللہ وہ بھی ہو جائے گا، قلت فرصت ہی باعث اختصار وایجاز کی ہوئی، خدا کرے یہ ایجاز مخل نہ ہوا ہو۔

ان سطور پر آپ غور فرمائیں اگر اس میں غلطی ہو تو مجھے مطلع فرمائیں، اگر کوئی اشکال ہو بے تکلف تحریر فرمائیں، بہت سے اشکالات اور ارشادات اور علماء کے جوابات جو بصورت تحریر بندہ کے پاس موجود ہیں، وقت آنے پر انشاء اللہ منصۂ شہود پر آئیں گے، عجلت کی ضرورت نہیں اگرچہ ضمناً اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، لیکن تتمیماً للفائدہ قدرے اجمالی توضیح کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا، وہ یہ کہ۔

جس چیز کا ثبوت قرون اولیٰ میں نہ ہو اس کا احداث بدعت ہے:۔

قرون ثلثہ میں تبلیغ مروجہ کی موجودہ تخصیصات وتقییدات موجود نہ تھیں، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جو دواعی ومحرکات، اغراض ومقاصد بیان کئے جاتے ہیں، وہ سب قرون ثلثہ میں موجود تھے باوجود اس کے ان کو اختیار نہیں کیا گیا نہ اس پر تنبیہ کی گئی، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تخصیصات متروک ہیں، اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ عدم الفعل اور ترک الفعل میں بڑا فرق ہے، بہرکیف حضرات علماء فرماتے ہیں کہ فعل کا موجب ومقتضی پائے جانے کے باوجود وہ فعل یا وصف فعل قرون اولیٰ میں نہیں پایا گیا تو یہ ترک الفعل ہوگا۔ ''کالاذان لصلوۃ العیدین'' کہ صلوٰۃ عیدین صلوٰۃ ہے اور صلوٰۃ داعی اور مقتضی اذان کی ہے، مگر باوجود داعی ومقتضی کے شارع سے اذان منقول نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ترک اذان قصداً ہوا، پس صلوٰۃ عیدین کے لئے اذان بدعت ہے، اور جس طرح حضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے جس فعل کو ترک فرمایا وہ فعل بدعت ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

فمن و اظب (۱) علی فعل لم یفعله الشارع ﷺ فهو مبتدع والمتابعة كما تكون فی الفعل يكون فی الترك ايضاً۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں تحت حدیث انما الاعمال بالنیات فرماتے ہیں:

آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نہ کردہ باشد مبتدع بود کذا قال المحدثون (۲)

مواہب لطیفہ شرح مسند ابی حنیفہؒ میں تلفظ بالنیۃ کی بحث میں ہے۔

والاتباع كما يكون فی الفعل يكون فی الترك فمن و اظب علی مالم يفعل الشارع فهو مبتدع (۳)

سید جمال الدین المحدث فرماتے ہیں:

تركه ﷺ سنة كما فعله سنة (٤)

امام شاطبی الاعتصام ص۳۶۱ ج ا پر فرماتے ہیں:

(۵)۔ (والضرب الثانی) ان يسكت الشارع عن الحكم الخاص او يترك امراً من الامور و موجبه المقتضی له قائم و سببه فی زمان الوحی وفی ما بعده موجود ثابت الا انه لم يحدد فيه امر زائد علی ما

(۱) جس نے مواظبت کی اس فعل پر جس کو شارع ﷺ نے نہیں کیا وہ مبتدع ہے، اور پیروی جس طرح فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی ہوتی ہے۔ (۲) ایضاً (۳) اور اتباع جس طرح فعل میں ہے اسی طرح ترک میں بھی ہے، چنانچہ جس فعل کو حضور ﷺ نے نہیں کیا اس پر مواظبت کرنے والا مبتدع ہے۔ (۴) حضور ﷺ کا کسی فعل کو ترک کرنا سنت ہے جس طرح آپ ﷺ کا فعل سنت ہے۔

(۵) اور دوسری قسم یہ ہے کہ شارع حکم خاص سے ساکت ہو یا امروں میں سے کسی امر کو ترک کرے حالانکہ اس کے لئے موجب ومقتضی اس کا قائم ہو، اور زمان وحی اور مابعد میں اس کا سبب موجود ہو اور ثابت ہو،

کـان مـن الحکم العام فی امثاله ولا ینقص منه الا انه لما کان المـعنی الموجب لشرعیة الحکم العقلی الخاص موجوداً ثم لـم یشرع ولا نبّه کان صریحاً فی ان الزائد علی ما ثبت هنالك بدعة زائدة و مخالفة لقصد الشارع اذ فهم من قصده الوقوف عندما حد هنالك لا الزیادة علیه ولا النقصان منه''۔

اسی طرح نفائس الازہار ترجمہ مجالس الابرار ودیگر کتب فقہ میں تصریح ہے اوراسی قانون شرعی کی روشنی میں حضرت علیؓ نے نفل قبل صلوٰۃ العید اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے رفع ایدی فی الدعاء علی الصدر اور اہتمام صلوٰۃ ضحیٰ اور قنوت فی العصر اور حضرت عبداللہ ابن المغفل نے بسم اللہ بالجہر فی الصلوٰۃ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے کلمہ طیبہ، درود شریف بالجہر فی المسجد وغیرہ وغیرہ کو بدعت فرمایا، اور ہدایہ میں تنفل قبل العید وقبل الفجر، طوالع الانوار حاشیہ درمختار میں رفع الصوت بالذکر یوم العید، امالی اور کفایہ شعبی میں تراویح زائد از عشرین، فتاویٰ کبیری، درمختار، فتاویٰ عجیب، فتاویٰ ابراہیم شاہی اور کنز العباد فی شرح

= مگر یہ کہ حکم عام کو علی حالہ باقی رکھا ہو نہ کوئی امر زائد کیا ہو اس میں نہ کم کیا ہو، اس لئے کہ حکم عقلی خاص کو شریعت کے لئے موجب محرک کے ہوتے ہوئے نہ مشروع فرمایا نہ اس کی طرف اشارہ وتنبیہ فرمائی تو یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اب جو اس پر اپنی رائے سے کوئی امر زائد کیا جائے گا وہ بدعت زائد ہوگی اور شارع کے مقصد کی مخالفت ہوگی اس لئے کہ باوجود محرک اور سبب کے پائے جانے کے شارع کے سکوت سے یہی سمجھا جائے گا کہ شارع کا مقصود اسی حد تک حکم کو باقی رکھنا ہے

بغیر کسی زیادتی اور کمی کے۔

اوراد میں، دعا بالاجتماع عند ختم القرآن، کتب فقہ میں خطبہ فی الکسوف کبیری میں صلوٰۃ الرغائب، عالمگیری اور نصاب الاحتساب میں قراءۃ الکافرون مع الجمع کو بدعت فرمایا ہے جن کی تصریح وتفصیل کا یہ مختصر متحمل نہیں، انصاف شرط ہے، یہ وہ اصول وقوانین شرع ہیں جن کی روشنی میں ہمارے اکابر وسلف صالحین نے ذکر اللہ، ذکر الرسول، نماز، روزہ، ایصال ثواب ودیگر عبادات، صدہا چیزوں کو بدعت قرار دیا، اور بے خوف لومۃ لائم بغیر کسی پس وپیش کے برملا اس کا اظہار فرمایا، کیا ان امور کے مرتکبین ہمارے کلمہ گو بھائی نہ تھے؟ اور کیا ان امور کے فوائد وہ نہیں بیان کرتے تھے؟ اور ان کے افعال کا منشا اللہ، رسول، دین کی محبت نہ تھا؟ مگر ہمارے اکابر نے اس کا کچھ لحاظ نہ فرمایا، اپنے مواعظ وتصنیفات میں ان امور کا بدعت ہونا ظاہر فرمایا، مناظرے کئے مقابلے کئے کیسے کیسے اختلافات ہوئے بھائی بھائی باپ بیٹے، اعزہ واقارب میں جدائی ہوئی، کتنے صدمے اٹھانے پڑے، کیسی کیسی رسوائیا ہوئیں۔ اور آج تک اس کا سلسلہ برابر جاری ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ وہ کریں تو بدعت اور ہماری جماعت کا کوئی فرد ایجاد کرے تو جائز، یا تو ان تمام اشیاء کو بدعت کہنا ترک کر دیا جائے اور اکابر کی محنتوں کو بالائے طاق اور تحقیقات کو دریا برد کر دیا جائے، یا پھر وجہ فرق بتلایا جائے، اور اصول وقوانین شرعیہ

کی روشنی میں صاف اور واضح طور پر ثابت کیا جائے کہ وہ امور فلاں وجوہ سے بدعت اور یہ امور فلاں وجہ سے سنت یا جائز ہیں، محض اس کہہ دینے سے کام نہ چلے گا کہ فلاں عالم نے تعریف کی، اور فلان عالم شریک ہیں، عام مقبولیت ہے، عالمگیر ہے، اور فلاں فائدہ اور فلاں نتیجہ ہے۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ سرہندی قدس سرہ کے کلام ہدایت التیام سے دل ودماغ کو روشن کریں، فرماتے ہیں:

''اجتناب از رسم و رسم بدعت تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیۂ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جان اونرسد وایں معنیٰ امروز متغیر است، عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است، وبظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند، و بہ احیاء سنت لب کشاید، اکثر علمائے این وقت رواج دہندہائے بدعت اند، ومحو کنندگان سنت، بدعتہائے پہن شدہ راا تعامل دانستہ بجواز بلکہ بہ استحسان فتوی دہند ومردم را بہ بدعت دلالت می نمایند، چہ می گویند اگر ضلالت شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود تعامل گردد، مگر نمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست، تعاملے کہ معتبر است، ہمانست کہ از صدر اول آمدہ است تا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ کما ذکر فی فتاویٰ الغیاثیہ۔

بدعت کے نام اور بدعت کے طریق سے، یہاں تک کہ جب تک بدعت حسنہ سے بھی بدعت سیۂ ہی کی طرف اجتناب و

احتراز نہ کریں گے، اس دولت کی خوشبو بھی نہ ملے گی۔ یہ بات آج کل مشکل ہے، عالم دریائے بدعت میں غرق ہے، اور بدعت کی تاریکیوں میں مطمئن ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعت کے ختم کرنے کے لئے دم مارے، اور احیاء سنت کے لئے لب کھول سکے، اس زمانے کے اکثر علماء بدعت کے رواج والے اور سنت کو محو کرنے والے ہیں، پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل خلق جان کر اس کے جواز بلکہ اس کے استحسان کا فتویٰ دے رہے ہیں، اور لوگوں کو بدعت کی طرف دعوت دے رہے ہیں، کیا کہیں گے یہ علماء کہ اگر ضلالت اور گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف اور رواج پا جائے تو کیا یہ تعامل ہو جائے گا، شاید یہ علماء نہیں جانتے کہ تعامل اور رواج دلیل استحسان نہیں ہے جو تعامل معتبر ہے وہ وہی ہے جو کہ صدر اول سے چلا آ رہا ہو یہاں تک کہ عام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہو، جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے

قال الشیخ الامام الشهید رحمة الله سبحانه علیه لا ناخذ باستحسان مشائخ بلخ و انما ناخذ بقول اصحابنا المتقدمین رحمهم الله سبحانه لان التعامل فی بلدة لا یدل علی الجواز وانما یدل علی الجواز ما یکون الاستمرار من الصدر الاول فیکون ذلك دلیلا علی تقریر النبی ﷺ ایاهم علی ذلك فیکون منه علیه و علیٰ آلهٖ الصلوٰة والسلام واما اذا لم یکن کذالك لا یکون فعلهم حجة الا اذا کان ذالك عن الناس کافة فی البلدان کلها لیکون اجماعا و الاجماع حجة الا تریٰ انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر وعلیٰ الربوٰ لا یفتی بالحل۔ وشک نیست کہ علم بہ تعامل کافہ انام وبہ عمل جمیع قریٰ وبلدان از حیطۂ بشر خارج است باقی ماند تعامل صدر اول کہ فی الحقیقت تقریر است ازاں سرور علیہ الصلوٰۃ

والسلام وراجع بہ سنت او علیہ السلام بدعت کجا است وحسن بدعت کدام،

= کہ شیخ امام شہیدؒ نے فرمایا ہے ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو نہ لیں گے ہم تو اپنے اصحاب متقدمین کے قول کو اختیار کریں گے۔ اللہ سبحانہ ان پر رحم کرے، اس لئے کہ تعامل کسی شہر کا جواز پر دلالت نہیں کرتا، جواز پر دلالت وہ تعامل کرتا ہے جو صدر اول سے برابر ہمیشہ چلا آرہا ہو تو وہ نبی ﷺ کی تقریر سے ثابت ہوگا، لہٰذا وہ آپ ﷺ کی ہی طرف سے ثابت مانا جائے گا، لیکن اگر ایسا نہ ہوگا تو لوگوں کا یہ فعل حجت نہ ہوگا، الا یہ کہ تمام کے تمام لوگوں کا تمام کے تمام شہروں کا اس پر اتفاق ہوتا کہ اس کو اجماع کہا جا سکے اور اجماع حجت ہے کیا نہیں دیکھتے تم کہ اگر بیع خمر اور سود پر لوگ تعامل کریں تو اس کی حلت کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا اور اس میں شک نہیں ہے کہ تمام کے تمام ...... لوگوں کے تعامل اور جمیع قریٰ اور بلدان کا علم حیطۂ بشر سے خارج ہے باقی رہا صدر اول کا تعامل تو وہ درحقیقت آں سرور ﷺ کی تقریر یعنی برقرار رکھا ہوا ہے، اور جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف راجع ہے اس (تعامل) میں بدعت کہاں اور بدعت حسنہ کیسی؟ (ن)

اور مکتوب ۲۱۶ دفتر اول ص ۳۲۵ پر فرماتے ہیں:

حلال وحرام میں صوفیہ کا عمل دلیل نہیں

عمل صوفیاء در حلت وحرمت سند نیست (ا) ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نکنیم وامر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم وایں جا قول ابی حنیفہ وامام یوسف وامام محمد معتبر است نہ عمل ابی بکر شبلی وابی حسن نوری۔

تبلیغ مروجہ پر مدارس وخوانق کا قیاس قیاس مع الفارق ہے

اگر عدم فرصت مانع نہ ہوتی تو مدارس وخوانق کے بارے میں بھی کچھ لکھتا اجمالاً یہ امر ملحوظ رہے کہ اس طریقہ محدثہ مخترعہ ومجموعہ بہ ہیئت کذائیہ کو مدارس وخوانق و دیگر ثابت بالشریعت والسلف تبلیغی طرق وصور پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق

ہے۔

انشاءاللہ تفصیلات جلد ہی منصۂ شہود پر آرہی ہیں، انتظار فرمائیے، اگر اس میں کوئی غلطی ہو اصلاح فرمائیے، اشکال ہو تو آزادی سے تحریر فرمانے کی اجازت ہے۔

(ا) حرام وحلال میں صوفیہ کا عمل سند نہیں ہے، یہی غنیمت ہے کہ ہم ان لوگوں کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کے معاملے کو حق سبحانہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور اس جگہ قول ابی حنیفہ وابی یوسف وامام محمد معتبر ہے، نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل الخ۔ (ن)

هذا ما سنح لی الآن والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب وصلى الله على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين، برحمتك يا ارحم الراحمين۔

وآخردعوانا ان الحمدلله رب العالمين۔

دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔

والسلام مع الاکرام

وانا الاحقر الافقر محمد فاروق غفرلہٗ

اتراؤں، الہ آباد، شعبان المکرّم ۱۳۹۹ھ